# THE CHRISTIAN FESTIVALS

# مسیحی تیوہار
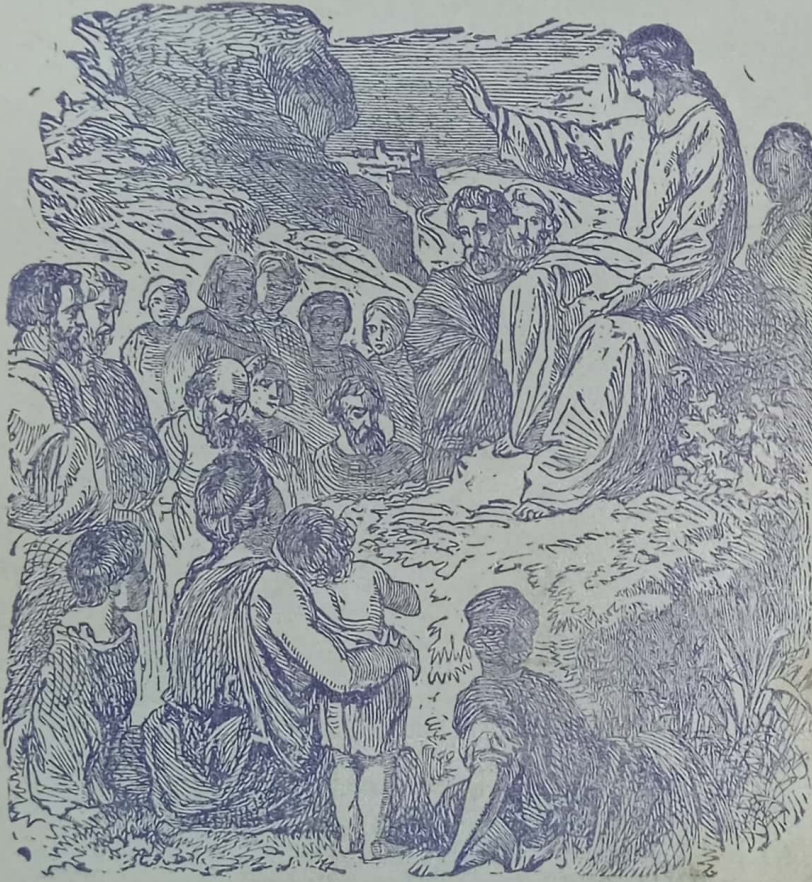
پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی
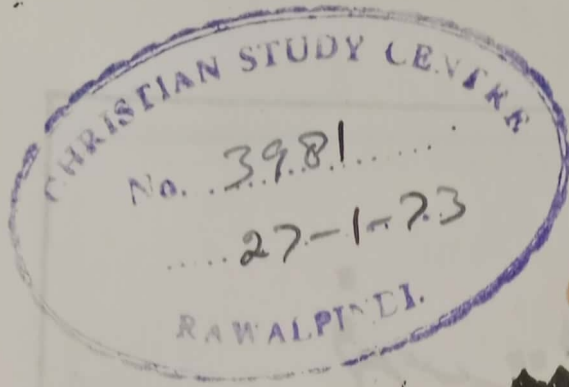
انارکلی ۔ لاہور

# مسیحی تہوار

یعنی

## بارہ مختلف مسیحی تہواروں پہ وعظ

پنجاب رِلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی لاہور

۱۹۵۱ء

تعداد ۱۰۰۰

بار اوّل

# فہرست مضامین







# عیدِ ولادت کا پیغام

"آؤ ہم بیت لحم تک چلیں" - لوقا ۲: ۱۵

یہ بات نہایت غور طلب ہے کہ ہمارے خُداوند کی پیدائش ایک ایسے ملک میں ہُوئی جو دُنیا کے نہایت چھوٹے مُلکوں میں سے ایک ہے اور جو اپنے زمانے کی معلومہ دُنیا کا عین مرکز تھا - ایک ایسا مُلک جو ایشیا - یورپ اور افریقہ کے برِاعظموں کا عین جائے اِتصال تھا۔ اِسی مُلک کے ایک چھوٹے گاؤں بیت لحم میں اُس کی پیدائش واقع ہوئی - بیت اللحم کے لفظی معنی ہیں "روٹیوں کا گھر" اور وُہ مُنجّی جہاں جس کی ولادت کی خوشی ہم مناتے ہیں جب اپنی خدمت کرنے لگا تو عوام سے کہا - "زندگی کی روٹی مَیں ہُوں" اور اس میں کیا کلام ہے کہ اُس کے بیشمار دیندار زمانہ بہ زمانہ اپنے تجربہ سے یہی کہتے آئے ہیں کہ اُس کے طفیل اُنہیں عجیب سیری اور آسُودگی ملی ہے - یسعیاہ نبی نے نبوّت کی راہ سے ہمارے مُنجّی کو کئی ایک پیارے نام دئے جو اُس کی بے نظیر کاملیّت کا اظہار کرتے ہیں - اُس نے یہ نام اُسے دئے - "عُجیب مُشیر - خُدائے قادر - ابدیت کا باپ - سلامتی کا شہزادہ" اُنہیں سچائیوں

میں ہماری سیری ہے فی الحقیقت وُہ عجیب ہے۔ اپنی شخصیت میں۔ اپنی پیدائش
میں۔ اپنی تعلیمات میں۔ اپنے کاموں میں۔ اپنی موت میں۔ اپنی قیامت میں اور اپنے
صعُود میں۔ وہ اپنے ایمانداروں کا سب سے بڑا مُشیر یعنی صلاح کار ہے۔ اُس کے
چہرے کی روشنی میں وُہ ہرگز ٹھوکر نہیں کھا سکتے۔ خُدا کی قدرت اور طاقت حاصل
کر کے وہ اچمبھے کیا کرتے ہیں۔ وُہ خُدا کی ابدیت میں اُس کے ساتھ شریک ہو چکے ہیں۔
اور اِس طرح اُنہیں وُہ صلح اور سلامتی حاصل ہُوئی ہے جو یہ دُنیا نہیں دے سکتی۔ اُن
کی سیری اِس درجے تک بڑھ گئی ہے کہ وُہ ڈنکے کی چوٹ دُنیا سے کہتے پھرتے ہیں
کہ بالفرض اگر وُہ دُنیا میں نہ آتا تو اُنہیں خُدا کی ہستی کی سب سے عمدہ تصویر کہ وُہ
باپ کا دل رکھتا ہے کوئی نہ دکھا سکتا۔ اُنہیں اُسی نے آکر اُن کی خطرناک حالت سے
آگاہ کیا اور اُنہیں تبلایا کہ خُدا کے حضُور اُن کی قدر و منزلت کتنی بڑی ہے۔ اُس نے
اپنے اقوال اور اپنے افعال سے ایک ایسا بے نظیر نمونہ اُن کے سامنے رکھا جس کا ثانی
اُنہیں دُنیا میں نظر نہیں آتا۔ اُس کی بیش بہا موت اور قبر پر فتح سے اُنہیں
یقین مِلا ہے کہ خُدا بڑے سے بڑے گنہگار کو معاف کرتا اور قبُول فرماتا ہے۔ وُہ
اُس کی تعلیمات پر غور کرتے ہُوئے فیصلہ کر چکے ہیں کہ یہ جہان جس میں قوم قوم پر چڑھائی
کرتی ہے جس میں خُدا کی خلقت بھُوکوں مرتی ہے۔ اور جس میں نسلی امتیازوں کے
سبب انسان انسان کی بے عزتی کرتا ہے۔ اگر اپنی بُری راہوں کو چھوڑ دے اور
اُس مالک کی باتوں کو تسلیم کر کے اُن کی پیروی کرے تو ضرور بضرور ایک نیا آسمان اور
ایک نئی زمین قائم ہو جائینگے۔ اِس اُمید میں بڑی دلیری سے موت اور قبر کا مقابلہ
کرتے رہے۔ اور اپنے خُداوند پر بھروسہ کرتے ہُوئے یہی کہتے رہے کہ موت زندگی کا
ایک عالیشان دروازہ ہے۔ اپنے خُداوند ہی کے سبب یہ پانچ برکتیں اُنہیں ملی
ہیں اور بیت اللحم کے خُداوند سے اُنہیں عجیب سیری اور آسُودگی ملی ہے۔



سچ پوُچھئے تو خُداوند مسیح کی پیدائش کی اصل تاریخ وعدے سے کوئی ہمیں بتا نہیں
سکتا۔ چوتھی صدی میں رُوم کے مسیحی ہادیان نے غور کیا کہ باشندگان سلطنت
جاڑوں کے موسم کے عین درمیان سُورج دیوتا کا ایک بڑا تہوار مانتے تھے اور
اُن ایام میں جب سب سے چھوٹا دِن ختم ہو جاتا تھا۔ اور دن آہستہ آہستہ
بڑھنے لگتا۔ تو وُہ اُسے سُورج کی فتح قرار دیتے اور اُسے دیوتا مان کر
اُس کی پرستش کرتے تھے۔ اُن ہادیان نے یہ اعتقاد رکھتے ہُوئے کہ کائنات
کا اصل یعنی آفتاب اُن کا خُداوند ہے اور وُہ گناہ اور موت کے اندھیرے
پر ہمیشہ غالب ہے مناسب سمجھا کہ اُس تہوار کو اُس کے جنم دن سے منسُوب
کریں اور اِس طرح اس عجیب مسیحی جشن کا آغاز ہوُا اور ہر سال ۲۵ دسمبر کو دُنیا بھر
میں یہ عید تولید منائی جاتی ہے جسے ہمارے ہم وطنوں نے ایک بڑا پیارا نام دیا
ہے یعنی "بڑا دن"۔

پھر یہ بھی بڑی غور طلب بات ہے کہ دُنیا کی کثیر آبادی وقت اور زمانے
سے اُس کی پیدائش کا لحاظ کر کے دو حصّوں میں بانٹی ہے یعنی قبل از مسیح اور بعد
از مسیح۔ پس آیئے ہم بھی اُن چرواہوں اور مجُوسیوں کے ساتھ مِل کر بیت اللحم تک
چلیں اور اُس کے قریب چوگرد کھڑے ہو کر اُس کی پیدائش پر غور کریں۔

(۱) غور طلب امر یہ ہے کہ نبیوں کی کتابوں میں پیشگوئی ہو چکی تھی کہ خُداوند
مسیح کی پیدائش یہُودیہ کے گاؤں بیت اللحم میں ہوگی اور جب اُس کی پیدائش کا
کا وقت قریب آیا تو اُس کی والدہ گلیل کے شہر ناصرت میں تھی۔ مگر اتنے میں
شاہِ وقت قیصر اوگوستس نے جو اِس ملک پر حکومت کرتا تھا آناً فاناً حکم نافذ
کر دیا کہ ایک اِسم نویسی کی جائے اور کہ ہر شخص اپنے کنبے سمیت اصل پیدائش گاہ
میں جا کر اپنا نام لکھائے۔ اِس حکم نے مسیح کی ماں مریم اور یُوسف کو مجبور کیا کہ

وہ پیدل یا گدھے پر سوار ہو کر طویل مسافت طے کر کے بیت اللحم کو جائیں تاکہ اپنے نام لکھائیں۔ اور اس طرح خدا کا ارادہ پورا ہو۔ یہ دُنیا خدا کی دُنیا ہے۔ نہ صرف اُس نے اِسے پیدا کیا بلکہ سنبھالتا بھی ہے اور اپنے مقاصد کو انجام تک پہنچانے میں لگا ہوا ہے۔ ہم اِس بڑی حقیقت کو کبھی نہ بھولیں کہ ہر وقت خدا اکیلا بادشاہی کرتا ہے۔

(۲) ہم یاد کریں کہ بیت اللحم کی سرائے میں اُسے جگہ نہ ملی۔ پیچھے آنگن میں جہاں گائے۔ بیل۔ اُونٹ اور گدھے بندھے ہوئے تھے اُن کے درمیان وہ پیدا ہوا اور ہم اپنے آپ سے یہ بڑا سوال کریں کہ کیا ہماری زندگیوں کا تو یہ حال نہیں کہ وہ اس دُنیا کے فکر افکار سے اِس درجے تک بھری ہوئی ہیں۔ کہ اُن میں پیارے خداوند کے لئے جگہ نہیں اور اگر ہے بھی تو اتنی کہ تہواروں کے دن ہم گرجے ہو آئیں اور بس۔ خدا نہ کرے کہ ہمارا حال ایسا ہو بلکہ ہمیں ہمارے خداوند کی آمد کا تجربہ روزمرہ اپنی زندگیوں میں حاصل ہو۔ اُس رات کو غالباً وہ جانور بے خبر اپنی جگالی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ یہی حال بہت سے نام نہاد مسیحیوں کا ہے جو کیک اور چائے کی جگالی میں لگے رہتے ہیں پر مسیح کی پیدائش سے انہیں کوئی حقیقی تجربہ حاصل نہیں ہوا۔ نہ صرف اُن کی زندگی سرائے دُنیا کی فکروں سے بھری ہے اور نہ صرف اُن کا حال اُن جانوروں کا سا ہے بلکہ وہ اُن مصاحبوں کی مانند سخت دِل عیش پرست اور بے پرواہ بن گئے ہیں جو ہیرودیس کے دربار میں بادشاہ کی چاپلوسی میں لگے رہتے تھے۔ جب دُور دراز سے مشرقی عالم یروشلم کو آئے تاکہ شاہی محل سے اُس عجیب غریب پیدائش کی نسبت پوچھ پاچھ کریں جس کا اشارہ اُنہیں ایک ستارے کی روشنی سے ملا تھا تو اِن مصاحبوں نے فوراً دینی کتابیں تو نکال لیں اور جھٹ پٹ ورق پلٹ کر



بتا دیا کہ مسیح کی پیدائش کا بیت اللحم میں واقعہ ہونا لازمی ہے مگر اُن سے اتنا نہ ہُوا کہ اُن عالموں کے ہمراہ خود بیت اللحم تک جا کر اُس حیرت انگیز امر کی تفتیش کریں۔ دُوسروں کو درُست علم پہنچانا تو اُنہیں خوب آتا تھا مگر ایسے علم سے اُن کا آپ سے کوئی ذاتی تعلق نہ تھا۔ خدا نہ کرے کہ ہمارا حال ایسا ہو بلکہ ہم اُن چرواہوں کی مانند بنیں جنہوں نے سُنا۔ تجربہ کیا۔ سجدہ کیا اور سب کو بتلاتے پھرے۔ ہم اُن عالموں کی مانند بنیں جو اپنی معلومات کی قدر کرتے ہُوئے دُور دراز تفتیش پر نکلے اور جب اپنا دلخواہ مقصد حاصل کیا تو جھٹ سجدے میں سرنگوں ہُوئے اور اپنے اعلیٰ ترین تحفے شاہ جہاں کے حضور پیش کئے۔ مسیح اگر ہزار بار بیت اللحم میں پیدا ہوا اور اگر وہ آپ کی اور میری زندگی میں نہیں آیا تو اُس کی پیدائش سے ہمیں کیا حاصل؟

(۳) بیت اللحم کی چرنی سے خاص شعاعیں نکلتی ہیں جنہیں ہم ہرگز نہ بھولیں خدا نے کیسی حلیمی اختیار کی کہ وہ چرنی میں ایک غریب گھر میں ہمارے درمیان آیا اور انسان بن گیا تاکہ ہم پر اپنی الوہیت کو ظاہر کرے اور ہماری اصلی حالت ہم پر ظاہر کرے ہمارے لئے ایک ایسا جلالی نمونہ پیش کرے کہ جس کو پیش نظر رکھ کر ہم خود اُس کی مانند انسان بنیں اور اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ یہ دُنیا ایک بڑا پڑوس اور برادری بن جائے۔ یہ ایک خاص مقصد تھا جس کے لئے وہ مجسّم ہُوا۔ تجسّم کا بھید مسیحی مذہب کی بنیاد ہے۔ اگر ہم اِس پیاری حقیقت کو فراموش کر بیٹھیں کہ خدا یسُوع ناصری کی انسانیّت میں ہمارے درمیان آیا۔ تو مسیحیّت ایک بڑے درجے تک باطل ٹھہریگی۔ ہم برابر تجسّم کی حقیقت پر سوچتے رہیں اور شکر کریں کہ خدا نے ہمیں اندھیرے میں نہیں چھوڑا بلکہ ہمارے درجے تک اُتر آیا تاکہ ہم سے اِس طور پر ہمکلام ہو سکے کہ ہم اُس کی راہوں کو

کلیتہً جان سکیں۔ وُہ اِن معنوں میں خُدا کا مسیح ہے۔

علاوہ ازیں وہ خاص اِس لئے آیا کہ ہمارے گناہوں سے ہمیں رہائی دے۔ ہمارے گناہوں کے سبب اُس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ وُہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل ہُوا اور موت اور گناہ پر پُوری فتح حاصل کرکے وُہ ہی مسیح ہمارا نجات دہندہ بھی بنا۔

لہٰذا آیئے ہم اُس خُدا مجسّم کو جو ہمارا نجات دہندہ ہے اپنا واحد خُدا مان کر اپنی زندگی اُس کے سپرد کر دیں اور اُس کے ہو کر اِس دُنیا میں رہیں۔ ہر مسیحی کو چاہئے کہ وہ اِن تین باتوں کو مسیحیت کی بُنیاد سمجھے اور فرشتوں کے پیغام کو جو بیت اللحم گاؤں کے غریب چرواہوں کو سُنایا گیا یاد رکھے۔ "تمہارے لئے ایک نجات دہندہ پیدا ہُوا ہے۔ وُہ مسیح خُداوند ہے"۔

اور اِن تین باتوں کے سبب ہم اپنی زندگی کو اُس کے حضور قربان کریں اور مشرقی عالموں کی مانند اُس خُدائے مجسّم کے رُوبرُو اپنی زندگی کا سونا چڑھائیں اور مُر چھڑک کر اپنے آپ کو حد درجے تک قُربان کرنے کو تیار رہوں اور ہماری زندگی لوبان کی طرح اُس کی خوشبو بن جائے۔ وُہ ہمارا نبی۔ سردار کاہن اور بادشاہ ٹھہرے۔ ہم اُسے خُدا کا بھیجا ہُوا سمجھیں وُہ ہمارا نجات دہندہ سردار کاہن اور ہماری زندگیوں کا مالک ہو۔ ہم اُس کے طفیل خُدا تک پہنچیں کیونکہ وہ ہی ہمارے چھٹکارے کی راہ ہے۔ ہم اُس کے نُور میں خُدا کی سچائی کو پہچانیں کیونکہ وہ حق ہے۔ اور اُس کی زندگی ہم میں سرایت کرے کیونکہ وُہی ہماری زندگی ہے۔ اُسی پر ہمارا ایمان ہو۔ اُسی کو ہم دل و جان سے پیار کریں۔ اور اُسی اکیلے سے ہمیں اُمید حاصل ہو۔

ہماری زندگیوں سے اُس کی تعریف ہو۔ ہم خُدا کی رضامندی ڈھونڈیں



اور صلح اور مُحبت کی زندگی بسر کریں۔ ہماری زندگیوں سے "خُدا کی آسمان پر تعریف۔ آدمیوں سے رضامندی اور زمین پر صلح ہو"۔ یہی فرشتوں کا گیت ہماری زندگی کا گیت ہو۔

دہم، ایک آخری بات اِس تہوار کے روز ہم اور یاد کریں۔

اسی شہر بیت اللحم میں ہیرودیس نے بڑا ظلم ڈھایا کہ اُس نے والدین کے دِلوں کو توڑ کر سینکڑوں معصُوم بچّوں کو تلوار کی گھاٹ اُتارا مگر خُدا کا مقصد باطل نہ ہو سکا۔ ہم اِس دُنیا کے زور و ظلم کے سبب کبھی اپنے ایمان کو نہ چھوڑیں۔ بلکہ بڑی دلیری سے اُس کی بادشاہت کے پھیلانے والے بنیں ہم بڑے دن کے پیغام کو مدِ نظر رکھ کر خاص طور پر غریبوں کے دوست بنیں ہم دُوسروں کو معاف کریں۔ ہم بچّوں کو اپنی خاص دولت سمجھیں اور دُشمنوں کے ساتھ محبّت کا سلوک کریں۔ مسیح کی پیدائش کے متعلق ایسے واقعات بیت اللحم میں ہُوئے جو ہمیں یہ بڑے سبق سکھاتے ہیں۔ اِن پر عامل ہو کر ہم خُدا کے جلال کے لئے اپنی زندگیاں بسر کریں۔

"آؤ ہم بیت اللحم تک چلیں"

---

# ایپفینی

یعنی

## "غیر اقوام پر مسیح کا ظاہر ہونا"

"جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسی پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ کیونکہ پورب میں اُس کا ستارہ دیکھ کر ہم اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔" متی ۲ / ۲،۱

بچے یسوع کے پاس مجوسیوں کے آنے کی کہانی بہت ہی ہر دلعزیز ہے اور اِس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ اس میں رومانیت اور ماہرینِ فن، شعر و ڈراما کی تصویر کشی کے سب سامان مہیا ہیں۔ یہ عجیب و غریب راہرو دُور دراز مُلکوں سے ایک ستارہ کی راہنمائی قبول کرتے ہوئے شاہِ نوزاد کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے شاہی محل پر پہنچتے ہیں۔ شاہِ حکمران ایسی ولادت سے باخبر نہ تھا۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ اُس کی لڑکھڑاتی ہوئی راجدھانی کا کوئی نیا دعویدار پیدا ہوگیا ہے۔ اُس نے اِن اجنبیوں کے پوشیدہ علم سے استفادہ کرکے اس تجویز کو ناکام ثابت کرنا چاہا۔ لیکن اجنبی اپنی راہ چلتے گئے اور بالآخر کسی شاہی محل پر نہیں بلکہ ایک دہقانی بڑھئی کے غریب خانہ پر پہنچتے ہیں۔ اِس بڑھئی کی نوجوان بیوی کو خواب میں یہ اطلاع ملی کہ یہ اجنبی بادشاہ کو خبر دینے کے لئے نہ جائیں۔ اجنبیوں نے اپنے تحفے پیش کئے اور پھر واپس اپنی راہ لی۔ لیکن



"متلون المزاج بادشاہ" نے احتیاط کے طور پر دو برس سے کم عمر بچوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ ہیرودیس تخت کے دعویداروں کی جلد ہی خبر لیا کرتا تھا۔

یہ تو ہے بائیبل کا بیان لیکن اس کے گرد بے شمار روایات اکٹھی ہو گئی ہیں ممکن ہے کہ اِن میں سے چند یا سب ہی مُحکم ہوں لیکن اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ مجوسی صرف تین تھے۔ بیشک اُن کے تحفوں سے اِس عدد کا استنباط کیا گیا ہے۔ نیز کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ لوگ بادشاہ تھے یا کس مُلک سے آئے تھے۔ اِن کی گذشتہ تواریخ سے ہم ناواقف ہیں اور اِن کے ناموں سے یعنی بلھستار، میلخور، اور گاسپر، جو مسیحی تصور نے ایجاد کئے ہیں ہم ناآشنا ہیں۔ نہ ہی ان کے بعد کی تواریخ کا علم ہے۔ بیشک مسیحی تصور نے ان کی جانبازیوں کی بہت سی کہانیاں قلم بند کی ہیں۔

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ غور و فکر کے لئے ہمارا انحصار اِن روایات پر نہیں اور نہ ہی ہم علم نجوم کے تخمینوں کے محتاج ہیں۔ انجیلی بیانات میں ہمارے لئے کافی مسودہ موجود ہے۔ ذیل میں ہم مختصراً تین خیال پیش کریں گے جو اِن تین امور سے ماخوذ ہیں یعنی امرِ اوّل کہ یہ اجنبی جو یسوع کو دیکھنے آئے عالم لوگ تھے، امرِ ثانی کہ اُنھوں نے ایک نامعلوم منزل کی جانب سفر کرنا شروع کیا، اور امرِ ثالث کہ یہ اہلِ یہود نہ تھے۔

**امرِ اوّل:۔** وہ "عقلمند لوگ" یا "مجوسی" تھے۔ یونانی لفظ اُن کے فارس سے آنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور چونکہ اُنھوں نے ایک ستارہ کی پیروی کی اِس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اجرامِ فلکی کی حرکات کے مشاہدہ کے شائق تھے۔ افلاک کے دقیق معائنہ سے اُنھیں ایک نئے ستارہ کا علم ہوا اور اُن کے تحقیق و تجسّس کے شوق نے اُنھیں اِس کی اہمیت معلوم کرنے پر آمادہ

کیا۔ پُرانے وقتوں کے ماہرین علم نجوم کی طرح شاید وہ بھی پہلے جوتشی تھے۔ اور ایک ایسے علم کی ترقی اور تکمیل کے کوشاں تھے جس کے ذریعہ سے اجرام فلکی کی حرکات اور کرۂ زمین پر انسانی زندگی میں ایک ربط باہمی قائم ہو سکے۔ بہر حال وہ عالم حق کے طالب تھے۔ وہ اِس علم کا کسی لحاظ سے بھی ناجائز استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اتنے بڑے علم کے سامنے عاجز ہو کر وہ اپنے نذرانے پیش کرنے کے لئے آئے۔ اُنہوں نے اپنا ذاتی فائدہ ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ "سونا اور لُبان اور مُر" وہ اپنے ساتھ لائے تھے اور یہ تینوں چیزیں نذرانہ کے طور پر خوشی سے پیش کر دیں۔

مسیح کی انجیل اور ایسی علمیت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ بڑے علماٗ غرور سے آزاد ہیں۔ صرف چھوٹے طبقہ کے انسان کے لئے ہی اِس کا علم باعثِ فخر و غرور ہو سکتا ہے ایک بڑے عالم بزرگ ایزک نیوٹن کے اِن الفاظ کو اپنا سکتے ہیں۔ "مَیں سمندر کے کنارہ پر ایک طفلِ مکتب کی طرح ہوں لگتا ہے اپنا دل اِس غیر معمولی چکنے پتھر سے بہلا لیتا ہوں اور لگا ہے اُس غیر معمولی خوبصورت سیپی سے لیکن سچائی کا وسیع سمندر میرے سامنے ابھی تک نامعلوم ہے"۔ خُدا کی دُنیا کے بے شمار عجوبات کے سامنے علم سائنس اور فلسفہ کے عروج کا راز حِلم و اِنکسار ہے۔ حق اور سچّائی کی ہر ایک دریافت انسان کو خُدا کے نزدیک پہنچاتی ہے۔ سب سے بڑی حقیقت خود خُدا ہے اور خُداوند مسیح جس نے فرمایا مَیں حق ہُوں۔ جب خُداوند مسیح نے یہودیوں کی شریعت کے پہلے حُکم کا اقتباس کیا تو اُس نے اُن قوانین میں جن سے انسان کو اپنے خالق کی حمد و ثنا کرنی چاہیئے دماغ کو بھی شامل کیا۔ یہ صرف اتفاقی امر نہیں بلکہ بامعنی کلام ہے۔



یہ حکماٗ مُنصف مزاج اور حلیم ہیں۔ بلکہ وُہ ذہنی کیفیت کے مالک بھی ہیں جو شہود کے پردہ کو چیر کر حقیقت تک پہنچتی ہے۔ اُن کی تسلی محض فطرت کے شاہکاروں سے نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کے اندرونی معنی دریافت کرنا چاہتے ہیں جس میں جمال اور اصلِ غیر متبدل مُتحد ہیں۔ مخلوق کے پسِ پُشت وہ خالقِ حقیقی کے جویاں ہیں۔ اور ستاروں کی روشنوں سے وہ ماہیت ایزدی کا استنباط کرتے ہیں۔ اِن حکماٗ کا دائرہ عمل محدود نہیں۔ وہ بہت وسیع النظر ہیں۔ جب وہ اپنے مُلکوں کو واپس جا رہے تھے تو اُن کی واپسی علم نجوم سے متعین نہیں ہوئی بلکہ اُس اطلاع سے جو انہیں خواب میں ملی۔

خُدا انسانوں سے کئی طریقوں سے کلام کرتا ہے۔ سادہ لوح چرواہوں کو وہی مُحکم مکاشفہ حاصل ہؤا جو علماٗ کو ہؤا تھا۔ لیکن پھر بھی خُدا کی راہیں انسانی عقل سے بعید ہیں۔ تاہم مجوسیوں سے ہم ایک سبق سیکھتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ذاتِ باری تعالےٰ سے وِصال کا ایک رستہ علم اور تحقیق کا بھی ہے۔

**امرِ ثانی**:۔ اِن عقلمند آدمیوں نے یہ سفر اپنی تحقیقات کی بناء پر اختیار کیا۔ وہ محض تماشائی فلاسفر نہ تھے جو باریک بینیوں اور موشگافیوں میں مصروف رہتے ہیں اور دُوسروں کے نظریوں کی نکتہ چینی پر اکتفا کرتے ہیں۔ بلکہ اصحاب عمل تھے۔ یونانیوں کا فلسفی افلاطون جو دُنیا کے نامور فلاسفروں میں سے ایک ہے کہتا ہے کہ دلیل کی پیروی اخیر تک کرنی چاہیئے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ غور و فکر ایک کھیل اور شغل ہے۔ یا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ بلکہ یہ کہ دلیل کسی نہ کسی نتیجہ تک پہنچاتی ہے۔ مفکر کا فرض ہے کہ وہ چیزوں کی آخر تک جانچ پڑتال کرے اور آدھی منزل طے کر کے ہی نہ رُک جائے۔ ایسے غور و فکر کے لئے ہمت اور استقلال درکار ہیں۔

کہا گیا ہے۔ کہ طبعی دُنیا کی معلومات خُدا کے خیالات نہیں جو انسان دریافت کرتا ہے۔ وہ سب چیزوں کا خالق ہے۔ اور انسان کی تحقیق صرف اُن چیزوں کو پردۂ راز سے باہر لاتی ہے جو درحقیقت خُدا کے ذہن میں ہمیشہ سے تھیں۔ ایسی معلومات جو دُنیا کے نظام میں انقلاب پیدا کر دیں عوام دریافت نہیں کر سکتے۔ حال ہی میں سائنس دانوں نے ایک زبردست چیز ایجاد کی ہے۔ اِس کا نام ایٹم بم ہے۔ سالمات کو پھوڑنے سے ایک زبردست قوت دستیاب ہوئی ہے۔ امید ہے کہ بجائے تخریب کے یہ قوت انسانی زندگی و تمدن کی تعمیر کے لئے استعمال کی جائیگی۔ جب ہم لاعلم تماشائی اِس ایجاد سے اِس قدر مرعوب ہیں۔ تو اوّلین موجدوں کی دلیری اور ہمت تو نہایت ہی قابل داد ہے۔ اُنہوں نے ناآشنا سمندر پر اپنی زندگی کی کشتی چھوڑ دی۔ ایک انگریزی شاعر نے اِس رُعب اور خوف کو یوں بیان کیا ہے۔ ”ہم وہ ہیں جو پُراسرار سمندر میں سب سے پہلے کُودے“ اِسی لہجہ میں ایک اور شاعر نے نیوٹن کی بابت کہا ہے۔ ”ایک ایسا دماغ جو خیال کے نادیدہ سمندر میں ہمیشہ اکیلا سفر کرتا رہتا ہے“۔ ہم میں سے اکثر مُوجد نہیں بلکہ پیرو ہیں۔ تو بھی ہم اُن پہلے مُوجدوں اور سیاحوں کی ہمت اور دلیری کی تصویر اپنے سامنے کھینچ سکتے ہیں۔ اُن کی جسارت کے بغیر ہمارا رتبہ حیوانوں سے بالا نہ ہوتا۔

بائیبل کے ”عقلمند آدمیوں“ کی غور و فکر نے اُنہیں عمل کی طرف مائل کیا اور اپنے گھروں کو چھوڑ کر دُور دراز ملکوں میں چلے گئے۔ ستارہ نے اُن کی راہنمائی کی۔ اُنہیں یقین تھا کہ یہ ستارہ اُنہیں شاہِ نوزاد کے پاس لے جائیگا لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ وہ بادشاہ کہاں ہے۔ وہ شاہی محل کی طرف جانے پر



آمادہ تھے لیکن ستارہ اُنہیں ایک غریب خانہ پر لے گیا ہمیں اِس بات کا علم نہیں کہ آیا یہ لوگ بوڑھے تھے یا جوان۔ بوڑھے ہوں یا جوان وہ ابراہام کی طرح ایک نامعلوم ملک کو حاصل کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے جیسے ایک ”بڑے دن“ کے گیت میں لکھا ہے۔ کہ ”اُنہوں نے ایک زبردست خیال سوچا“ اور اِس خیال کے زیرِ اثر مسافرت کے تمام خطرات برداشت کئے گو ہم جانتے ہیں کہ اُنہیں کیا دستیاب ہوا لیکن وہ اپنے سفر کے آغاز سے اُس خیال سے مطلع نہ تھے کہ آخرکار اُنہیں دُنیا کا سب سے قیمتی خزانہ ملیگا۔ یہ سبق صاف ظاہر ہے۔ کہ انسان ڈھونڈنے سے پاتا۔ مانگنے سے حاصل کرتا ہے اور کھٹکھٹانے سے اُس کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اگر ایمان داری سے حق کی پیروی کی جائے اور دلیری اور استقلال سے خطرات اور مایوسیوں کا سامنا کیا جائے تو یقیناً آخر میں ہمیں دُنیا کا نُور حاصل ہوگا لیکن حقیقت کوئی مجرّد امر نہیں بلکہ اس کو عمل کا جامہ پہنانا ضروری ہے۔ خُداوند نے خود فرمایا کہ اگر کوئی خُدا کی مرضی جاننا چاہے تو اُسے اُس کا علم ضرور عنایت ہوگا۔ اگر ہم اُس پر عمل کریں جو ہم پیشتر سے جانتے ہیں۔ تو اِس بنا پر ہمارا علم اور بھی وسیع ہوتا جائیگا۔

**امرِ ثالث**:۔ یہ ”عقلمند لوگ“ اہل یہود نہ تھے اور نہ ہی وہ ”چیدہ“ افراد میں سے تھے تو بھی دُنیا کے نجات دہندہ کو پہچان کر وہ سب سے پہلے سجدہ کرنے کے لئے آئے۔ کلیسیا نے شروع ہی سے اِس واقعہ کی مثالی وقعت کو جو اِس کے مقامی اطلاق سے بعید ہے پہچان لیا ہے۔ حقیقتاً خُداوند مسیح غیر اقوام پر ظاہر ہونا تھا۔ اور اِس امر کا پیش خیمہ تھا کہ تمام غیر اقوام اُس بادشاہ کی اطاعت قبول کرینگی۔ جو صرف یہودیوں کا

بادشاہ نہیں بلکہ تمام دُنیا کا ہے۔ خُدا کے کلام کی اشاعت کا تمام انتظام اِس گہری حقیقت پر منحصر ہے۔

عہدِ عتیق کے چند ایک حوالوں سے بھی یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ انجیل صرف ایک قبیلہ کے لئے نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے خوشخبری کا پیغام ہے۔ جب خُدا نے ابراہام کو ایمان داروں کا باپ ہونے کے لئے بلایا تو واضح طور پر بتایا کہ خُدا کا منشاء اِس سے یہ ہے کہ دُنیا کے تمام خاندان اُس سے برکت پائیں۔ انبیاء نے بھی صاف طور پر یہی کہا کہ خُدا کا نُور محض ایک قبیلہ تک محدود نہیں بلکہ تمام اقوام کے فائدہ کے لئے ہے۔ یسائیرس کی شاہی حکومت خُداداد تھی اور خُدا کے احکام کو پورا کرنے کے لئے استعمال کی گئی۔ نافرمان یُوناہ نبی کو مجبُور کیا گیا کہ وہ نینواہ کے لوگوں کے سامنے گناہوں سے توبہ کرنے کی منادی کرے۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی اہلِ یہود اپنے آپ کو خُدا کے خاص الخاص مصاحب مانتے رہے اور منادی کی وسیع خدمت کو نظر انداز کرتے رہے۔

عہدِ جدید سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وُہ اِس خدمت کے اختیار نہ کرنے میں مصر رہے۔ اپنی مختصر خدمت کا زیادہ حِصّہ آنخداوند نے قوم یہود کے لئے ہی وقف کیا۔ بالخصوص اُن بارہ شاگردوں کی تیاری میں۔ لیکن نائن کی بیوہ، رومی حاکم، سامریہ کی عورت اور یونانی جو اُسے ملنے آئے تھے اِس بات کا ثبوت ہیں۔ کہ خُداوند نسل اور عقیدہ کی بندشوں کا لحاظ نہ رکھتا تھا۔ وہ حقیقتاً خُدا کا بیٹا ہے جس کی محبت تمام دُنیا پر چھائی ہُوئی ہے لیکن اعمال کی کہانی بتاتی ہے۔ کہ شاگردوں نے اپنا سبق اچھی طرح نہیں پڑھا تھا۔ اس کہانی کا پہلا حِصّہ اُس کشمکش سے متعلق ہے۔ جو اِستفنس کی



روبا یعنی خُدا کی انجیل صرف قوم یہود تک ہی محدود نہیں۔ مسیحی جماعت میں پیدا ہُوئی۔ یروشلیم کے مسیحی عام طور پر اپنے پرانے مذہب کے ساتھ جس میں اُنہوں نے تربیت پائی تھی تعلق قائم رکھنا چاہتے تھے غیر اقوام کے مسیحی جماعت میں داخل ہونے پر بھی وہ یہی چاہتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے غیر اقوام کے داخلہ کی ایسی شرائط مقرر کیں جو یہودی مسیحیوں کے مقبول خاطر ہوں یہودی رسوم و قیود سے رہا ہونے کے لئے ضروری تھا کہ نابالغ کلیسیا ثابت کرے کہ خُدا غیر اقوام میں بدستور کام کرتا ہے۔ اور جو لوگ غیر اقوام میں سے مسیحی ہوتے ہیں اُن کے لئے یہودیوں کی شرائط کا پورا کرنا لازمی نہیں پولوس کے مشنری کام نے کلیسیا کی اِس کوشش کو تقویت دی۔ اور جب کلام کی منادی سامریہ بلکہ دُنیا کی انتہا تک ہونے لگی تو ظاہر ہو گیا کہ کلیسیا نے اپنی حقیقی ذمہ داری معلوم کر لی۔ خُدا کے رُوح کی فضیلت کی شہادتیں یہودیوں کے نظریوں کے لئے ناقابل شکست نکلیں۔ اور کلیسیا کی صحت و بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے ماحول کے ساتھ ویسی ہی مطابقت پیدا کرے جیسی ایک ذی حیات اپنے گرد و نواح کے ساتھ۔ ورنہ کلیسیا دُنیا کے حوادث کے ہاتھوں شکار ہو جائیگی۔

خُدا کا وہ بڑا مکاشفہ جس کی جھلک مجوسیوں کو بچّے یسُوع میں دکھائی دی ابھی تک رونما ہو رہی ہے۔ اور تاحال نامکمل ہے۔ جب سے طفلِ بیت لحم کے سامنے مجوسی سربسجود ہوئے تب سے آج تک انسانی زندگی کے وسیع ادارے اُس کی اطاعت کے زیر آ چکے ہیں۔ بچّوں، عورتوں اور غلاموں کی حیثیت اُس کے زیر اثر بالکل تبدیل ہو گئی ہے لیکن دُنیا نے ابھی تک اُس کی تعلیم مساوات کو قبول نہیں کیا۔ اُس کی تعلیم کے مطابق نہ کوئی یہودی ہے اور نہ غیر قوم، نہ

غلام نہ آزاد، نہ گورا نہ کالا، اور نہ مشرق نہ مغرب بلکہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ ابھی تک انسان اپنے دشمنوں کے ساتھ سلوک کرنے کا کوئی اور طریقہ ڈھونڈ رہا ہے۔ بلکہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔ جبکہ ہر ایک گھٹنہ اُس کے سامنے جھکیگا اور ہر زبان اُس کی معترف ہوگی بلکہ ہر ایک خیال اُس کے زیرِ اطاعت ہوگا۔

مجوسیوں کی کہانی اُن کی شخصیت اور تحقیق پر زور دیتی ہے۔ سچ ہے کہ انسانی دل میں ایک ایسا جذبہ ہے جو کسی اعلیٰ حقیقت کا خواہاں ہے اُسے جمالِ حق اور خیرِ مطلق کی جستجو ہے۔ یہ جذبہ انسانی سرشت کا جزو لاینفک ہے مسیحی خوشخبری کہتی ہے اس انسانی اضطراب کی تشفی اُس مکاشفہ میں پائی جاتی جو خُدا نے انسان کو عطا کیا ہے۔

مجوسی نہ جانتے تھے کہ وہ کن حالات سے متعارف ہونگے بلکہ اُن کی خواہشات اُسکی دنیوی شان و شوکت پر لگی تھیں۔ جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔ مگر حقیقت جس سے اُن کا سامنا ہوا اُن کے تصور سے بہت بعید تھی۔ اُنہوں نے دُنیا و مافیہا کے راز کو معلوم کر لیا۔ اور وہ راز یہ تھا کہ خُدا ایک بچّہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ مجوسیوں نے اُسے دیکھا، اُس کی پرستش کی اور اُس کے سامنے نذرانے پیش کر کے اپنے اپنے مُلکوں کو واپس چلے گئے۔ یہی مختصراً ایپفینی کا پیغام ہے کہ ہم بھی جنہوں نے خُدا کا مکاشفہ دیکھا اور اُس کی مرضی کے تابع ہے ہیں دوسروں کے سامنے اس طرح سے گواہی دیں کہ "جیسے سمندر پانی سے بھرا ہے ویسے ہی دنیا بھی خُدا کے عرفان سے معمور ہو جائے +

---



# لینٹ ــــــــــــ تجدیدِ زندگی

"اپنی افتادہ زمین میں ہل چلاؤ کیونکہ اب موقع ہے کہ تم خداوند کے طالب ہو"

خُدا نے آج سے ہمارے لئے ایک خاص مدت کے روزے مقرر کئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خُدا کسی وقت اُن لوگوں پر خواہ وہ مرد ہوں یا عورت مگر جنہیں اُس کی قربت کا شرف حاصل ہو روزے مقرر کر سکتا ہے مگر آج کا دن اس یادگار کے اعتبار سے جس کی بناء پر کلیسیا اِسے متبرک سمجھ کر شروع سے مناتی چلی آرہی ہے بہت ہی اہم ہے اور وہ یادگار ہمارے خُداوند کا بپتسمہ لینے کے بعد چالیس دن کا روزہ ہے۔ مگر اِسے صرف یادگار ہی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس سے بھی زیادہ اِس میں ایک خاص مقصد پوشیدہ ہے اور اگر اُس مقصد کا حصول اِن دنوں نہ ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا روزہ بالکل اکارت ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ وُہ مقصد کونسا ہے؟

اِس کا جواب دینے سے پہلے ہمیشہ کے لئے ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ روزہ فی نفسہٖ مقصد نہیں بلکہ ایک مقصد کے حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ راستہ کی خوبی یہی ہے کہ اگر دیانتداری اور راستی سے اُس پر چلا جائے تو وہ ہمیں منزلِ مقصود پر لے جائے۔ روزے میں ایماندار کا پیشِ نظر مقصد خُدا ہے۔ کہنے کو تو یہودی لوگ بھی روزے کے معتقد تھے مگر اُن کا مقصد غلط تھا اور یسعیاہ اُنہیں متنبہ کرتا ہوا کہتا ہے کہ ایسے روزے خُدا کو ہرگز مقبول نہیں ہو سکتے۔ کتابِ مقدس

میں صاف طور پر لکھا ہے "دیکھو تم اپنے روزہ کے دنوں میں اپنی خوشی کے طالب رہتے ہو اور سب طرح کی سخت محنت لوگوں سے کراتے ہو۔ دیکھو تم اِس مقصد سے روزہ رکھتے ہو کہ جھگڑا رگڑا کرو اور شرارت کے مُکّے مارو۔ بس اب تم اِس طرح کا روزہ نہیں رکھتے ہو کہ تمہاری آواز عالمِ بالا پر سُنی جائے کیا یہ وُہ روزہ ہے جو مجھ کو پسند ہے؟ ایسا دن کہ جس میں آدمی اپنی جان کو دُکھ دے اور اپنے سر کو جُھکائے اور اپنے نیچے ٹاٹ اور راکھ بچھائے؟ کیا تُو اس کو روزہ اور ایسا دن کہیگا جو خُداوند کا مقبول ہو؟ (یسعیاہ ۵۸: ۳-۵)

کبھی نہیں! مگر اس کے باوجود تمام مذاہب کے لوگ جن میں مسیحی بھی شامل ہیں اسی طرح روزہ رکھتے چلے آرہے ہیں۔ اس قسم کا روزہ بے مقصد اور بے سُود روزہ ہے مگر لوگ اپنے زُعم میں یہی سمجھتے ہیں کہ وہ خُدا کی مرضی کو پُورا کر رہے ہیں۔ روزہ دُنیا سے خُدا کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے مگر جہاں یہ راستہ منزلِ مقصود تک لے جاسکتا ہے وہاں ہمیں منزل سے پرے بھی لے جاسکتا ہے۔ اگر ہم راستے پر چلتے وقت اپنی نظر کو مقصد پر جمائے نہیں رکھتے تو نتیجہ ثابت کر دیگا کہ ہم گُمراہ ہو گئے ہیں۔ مطمحِ نظر کے بغیر تگ و دو بے معنی اور بے سُود ہے۔ اس لئے آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ روزہ کے وقت اپنی آنکھوں کو منزل پر جمائے رکھنا کتنا ضروری ہے؟ ہماری منزلِ مقصود ہر وقت ہمارا نقطۂ نگاہ ہونی چاہئے۔ وُہ کونسا مقصد ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں؟ ایک دفعہ پھر عنوان کی آیت پر غور کیجئے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ "اب موقع ہے کہ تم خُداوند کے طالب ہو"۔

بلاشک روزہ رکھنے کی یہی ایک مکمل وجہ ہے۔ یہ ایک قسم کی روحانی جدّوجہد ہے جو ہمیں روزمرّہ کی عام زندگی کی دلچسپیوں سے نکال کر خُدا کی طرف



راغب کرتی ہے اور اُس کے قریب لاتی ہے۔ اب اگر ہم عید قیامت کے آنے تک روزوں کی برکت سے خُدا کے قریب نہیں آتے تو ظاہر ہے کہ ہماری روزہ داری بلا مصرف اور بے سود ہوگی۔ آپ کو یاد ہے کہ پُرانے عہد کے نبیوں اور مزمُور نویسوں نے اِسی چیز پر زور دیا ہے۔ بار بار اُنہوں نے یہودیوں کو خُدا کے ڈھونڈنے کی تلقین کی ہے "۔ اگر تم خُداوند اپنے خُدا کے طالب ہو تو وہ تجھ کو مل جائیگا"...... (یسعیاہ ۴: ۲۹)

داؤد نے بھی اپنے لڑکے کو آخری وقت پر یہی وصیت کی تھی "اور تو اَے میرے بیٹے سلیمان اپنے باپ کے خُدا کو پہچان —— اگر تو اُسے ڈھونڈے تو وہ تجھ کو مل جائیگا —— (امثال ۲۸: ۹)

گمان غالب ہے کہ سلیمان کے لئے یہ وصیت اُس کی زندگی میں دُرست ثابت ہُوئی۔ کیونکہ امثال کی کتاب میں لکھا ہے "کہ وہ جو خُداوند کو ڈھونڈتے ہیں اُسے پالیتے ہیں"۔ مزامیر اور نبیوں کی کتابوں میں کئی مرتبہ "خُدا کو ڈھونڈو" کی تلقین آتی ہے اور اکثر مرتبہ اس تلقین کے ساتھ انعام کا وعدہ بھی پایا جاتا ہے۔ مگر یہ تلاش دانستہ ہونی چاہئے جس میں وقت اور قوت دونوں کا خرچ کیا جانا لازمی ہے۔ زندگی کے اتنے فرائض اور اتنی دل بستگیاں ہیں اور ان فرائض اور دل بستگیوں کے متعلق دل میں خیالات کا اس قدر تلاطم ہے کہ جب تک جان بُوجھ کر ہم اُن سے ایک عرصہ کے لئے علیحدہ نہ ہو جائیں تو اندیشہ ہے کہ خُداوند ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے اور ہم اپنی روزانہ زندگی کے مشاغل اور شور و شر میں ایسے محو ہو جائیں کہ خُداوند سے دُور ہٹ جائیں "نہ ہل چلاؤ" یعنی روزمرّہ کے معمول سے تھوڑے عرصہ کے لئے علیحدہ ہو کر چاہئے کہ ہم ارادتاً خُداوند کو ڈھونڈیں چنانچہ خود خُداوند نے

بیابان میں علیحدگی اختیار کرلی اور ہمارے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ چھوڑ گئے۔ جب تم اس روحانی روش پر چلنا شروع کرو اور نیک نیتی سے تہیّہ کرلو کہ تم ضرور خُداوند کو نہ صرف ڈھونڈو گے بلکہ اُس کو پالو گے۔ تو آپ پر دو راز کھُلینگے۔ پہلا راز وہی ہے جو خود ہمارے خُداوند پر اُس وقت واضح ہؤا جب وہ روزہ رکھنے کے لئے بیابان میں گیا یعنی کہ شیطان خُدا کے تخت کے عین نیچے گھات میں بیٹھا ہے حقیقت یُوں ہے کہ شیطان کے ساتھ ہماری جدّ و جہد کا تلخ تر ہو جانا اِس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم خُدا کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ دُنیا میں کسی انسان کو شیطان کے اتنے سخت اور شدید حملے برداشت نہیں کرنے پڑے جتنے کہ یسُوع مسیح کو۔ کیونکہ کوئی انسان خُدا کے اتنا نزدیک نہیں پہنچ سکتا اور بات بھی صاف ہے آخر شیطان بیوقوف نہیں کہ خواہ مخواہ اپنا وقت اور اپنی قوت اُن لوگوں پر ضائع کرے جن کے خواب میں بھی خُدا تک پہنچنے کا خیال نہ آیا ہو۔ وُہ جانتا ہے کہ ایسے شخص تو اُس کے قبضہ میں ہیں ہی لہذا اُن کے متعلق اُسے تشویش کرنی بیکار ہے بعض لوگ سرے سے شیطان کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں اُن کے اس انکار سے یہی نتیجہ نِکل سکتا ہے کہ اُنہوں نے خُدا کے اتنے نزدیک جانے کی کوشش نہیں کی جس سے شیطان کو اُن سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ یسُوع مسیح شیطان کو خوب پہچانتا تھا۔

جُوں جُوں ہم خُدا کے چکاچوند نُور کے قریب تر ہوتے جائینگے ہماری زندگیوں کے تاریک اور غلیظ گوشے جل کر خاک ہو جائینگے اور ہمارے دل صاف ہو جائینگے لیکن اِس جلنے میں ہمیں تکلیف بلکہ سخت تکلیف ہو گی۔ انجام کار یا تو ہم درد کی شدت سے گھبرا کر بھاگ جائینگے اور یا مردانہ وار



درد کی برداشت کر کے ان تاریک اور غلیظ گوشوں کو جل جانے دینگے۔ لہذا سچے روزہ کی ایک پہچان یہ ہُوئی کہ کیا ہمیں اس سے درد ہؤا ہے؟ ہمیں یاد ہے کہ جب یسعیاہ خُدا کی بارُعب پاکیزگی اور راستبازی کے نزدیک ہؤا تو سرانیم کے درمیان تخت پر جلوہ افروز خُداوند کا نورانی جمال اس پر ظاہر ہؤا۔ اور اُسے محسوس ہؤا کہ اگرچہ وہ خُدا کا بندہ ہے تاہم وہ بے کس اور لاچار ہے۔ کیونکہ اُس کے ہونٹ ناپاک ہیں اور اُس کا مُنہ مذبح کے کوئلے سے زیادہ سخت ہے (یسعیاہ ۶: ۵ و ۶)۔ اگرچہ یہ احساس اُس کے لئے تکلیف دِہ ضرور تھا مگر یہی احساس اُس کی روحانی صفائی کا باعث ہؤا۔ اسی طرح اس قسم کے تجربات ہمارے لئے بھی ضرور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ خُدا کی پاکیزگی کے سُراغرساں نُور سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ لہذا ہمیں دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پہلا راستہ خُدا کی قربت کی طلب ہے اور دوسرا راستہ خفیہ اور پوشیدہ گناہوں کو محفوظ کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گناہ ہم سے تو پوشیدہ رہ سکتا ہے لیکن اُسی وقت تک جب تک کہ خُدا کی روشنی کی کرنیں اُسے روزِ روشن میں نہ لے آئیں۔ اگر ہم اپنی خوشی سے اِس آگ کی تپش کو برداشت کرنے کی جُرأت نہ کریں تو ہمیں آخر کار اس سے زبردست اور مہلک آگ کا سامنا کرنا پڑیگا مگر اگر ہم مردانہ دار میدانِ کارزار کی طرف بڑھیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ خُدا کی آگ میں سے گذر کر ہم پاکیزگی کی طرف بڑھتے جائینگے۔ جُوں جُوں خُدا کے قریب جانے کے لئے ہم روزہ کے راستے پر قدم مارینگے ہمارا تجربہ وہی ہو گا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ مگر خُدا کی قُربت سے ہمارا مقصد کیا ہے؟ اگر اِس سے صرف اِسی قدر مقصود ہے کہ دُنیا کو ترک کر کے خُدا کے عشق میں مدہوش

ہو جائیں تو بلا شُبہ یہ ایک ناکامیابی ہے۔ بیابان میں خُداوند کی علیحدگی اس مقصد کے لئے نہ تھی اور نہ ہی وُہ ہم سے ایسی چیز کا طلبگار ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسیح نے اپنے شاگردوں کو کس غرض کے لئے چُنا تھا؟ اُس کی غرض یہ نہ تھی کہ وہ محض اُس کے ساتھ رہیں بلکہ اس لئے کہ وُہ اُنہیں خُدا کی بادشاہت کی تعمیر کے لئے تیار کرے (مرقس ۳:۱۴)۔ اُس کے پاس ہمارے لئے بھی ایسی سنسنی خیز سیاحتیں ہیں۔ مسیح اِس غرض سے باپ کے قریب ہوا کہ اُس کی مرضی کو معلوم کرکے اُس کو پُورا کرنے کے لئے خُدا باپ سے مناسب قوّت حاصل کرے۔ لہٰذا حقیقی روزہ کی یہی پہچان ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اس بات میں مسیح کی پیروی نہ کریں تو ہم بڑی زبردست غلطی کے مرتکب ہونگے۔ خُدا سے قریب تر ہونے کا مقصد ہمارے یہاں بھی یہی ہونا چاہیئے کہ ہم اُس کو پہچانیں اور اُس کی مرضی اور ارادہ کو معلوم کریں اور اُس کی مرضی اور ارادہ کو پورا کرنے کے لئے اُس سے تعلق پیدا کرکے اُس سے حکمت۔ قوّت۔ جرأت اور محبت حاصل کریں۔

کیا روزہ ان مطالبوں کو پُورا کر سکتا ہے؟ یہ تو ہمارے روزہ رکھنے کے طریقہ پر موقوف ہے۔ ہم بجا طور پر متواتر دہرا رہے ہیں کہ روزوں میں ہمیں ہر وقت اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے اور وہ مقصد یہ ہے کہ خُدا کے قریب تر ہوتے جائیں اور اُسے بطرزِ احسن جانیں اور پیار کریں۔ یہ ذہن نشین کر لینے سے ہمیں یاد ہو جائیگا کہ روزہ محض عیش و عشرت کے سامان ترک کرکے اِس غلط فہمی میں گرفتار ہوتا ہے کہ ہم خُدا کی مرضی کو پورا کر رہے ہیں۔ بلکہ روزہ ایک عملی عبادت ہے جو بعض خاص چیزوں کے ترک کرنے سے کہیں افضل ہے۔ تمباکو چھوڑنا اور چائے میں شکر نہ ڈالنے سے ممکن ہے ہم خُدا کے قریب ہو جائیں۔ مگر حقیقتاً اِس قسم کا روزہ سچّا نہیں۔



روزوں کے متعلق خُداوند یسُوع مسیح کا زاویۂ نگاہ بالکل مختلف تھا۔ وہ روزہ کو ایک ثبوتی عمل سمجھتا تھا جس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ اُس نے روزے کے وقت کو خُدا باپ کی رفاقت میں صرف کر دیا۔ یہ دھیان اس کے لئے اِس قدر پُر لطف تھا کہ وہ کھانا اور سونا سب بھُول گیا۔ آخر ایسی پُر لطف اور اہم مشغولیتوں کی موجودگی میں کھانے اور سونے کی کونسی اہمیت رہ جاتی ہے۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ روزے میں ہم بھی باپ کی رفاقت میں محو ہو جائیں۔ آپ کہینگے کہ آپ کے پاس فارغ وقت نہیں ہے اگر نہیں ہے تو نکا لئے۔ آپ اپنی نیند میں سے ایک گھنٹہ دُعا کے لئے نکال سکتے ہیں۔ کھانے کا وقت دُعا کے لئے وقف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ ایسا کرینگے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ کھانا اور سونا اور دیگر جسمانی ضروریات اُن اہم رُوحانی چیزوں کے بالمقابل بے حقیقت ہیں جن کی خاطر ہم نے اُنہیں چھوڑ دیا ہے۔ خُداوند یسُوع مسیح نے ہمیں جتلایا ہے کہ اگر ہم مریضوں کی تیمار داری نہ کریں اور قیدیوں کے پرسانِ حال نہ ہوں تو قیامت کے دن ہماری باز پُرس ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ زندگی کی ضروریات اور دلچسپیاں ہمارے راستے میں رُکاوٹ ضرور ڈالینگی مگر ہمیں ان سب میں سے وقت ضرور نکالنا چاہیئے۔ تعطیلوں کا عمدہ ترین مصرف یہی ہو سکتا ہے۔ روز مرّہ کے فرائض کو اگر پھُرتی اور عمدگی سے سر انجام دیا جائے تو اس سے جو وقت بچے اگر اُسے اس کام کے لئے وقف کیا جائے تو یہ بھی بڑی اچھی بات ہے۔ ہماری تمام ذمہ داریوں سے زیادہ اہم یہ ذمہ داری ہے اور قیامت کے دن ہمارا احساب انہی چیزوں کے متعلق ہوگا۔ حقیقت میں مسیحی فرائض کی انجام دہی کے لئے موزوں ترین وقت لینٹ ہے جسے خُداوند نے اپنے قریب

ہونے کا ایک راستہ بتلایا ہے۔

تو کیا روزہ سے صرف خُدا کے لئے وقت نکالنا مقصود ہے؟ روزہ کو صرف اسی مقصد تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ روزہ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہم عارضی طور پر یا مستقل طور پر جسم اور رُوح کی توانائی کے لئے خُدا کی خدمت کے جذبہ سے چھوڑتے ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بظاہر تو بے ضرر دکھائی دیتی ہیں مگر اِن کا بروقت تعاقب نہ کیا جائے تو خدشہ ہے کہ ہم ان کے زیر اثر ہو کر اُن کے غلام ہو جائیں۔ کیا کوئی دو مالکوں کی خدمت کر سکتا ہے؟

ایک موقع پر خُداوند نے روزوں کے مضمون پر تعلیم دی۔ خُداوند نے تاکید کی کہ روزہ کو خفیہ ہونا چاہئے تاکہ دوسروں پر یہ ظاہر نہ ہو سکے کہ تم روزہ دار ہو۔ اکثر اوقات ہم سے اِسی فرمان کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ روزہ کو خُفیہ رکھنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ روزوں کا اصلی مقصد ”خُدا کی طلب“ ہے۔ اور اگر ہم اِس کو مشتہر کر دیں تو مقصد فوت ہو جائیگا۔ مشتہر ہونے کی صورت میں ہمارے روزہ کا مقصد صرف یہ رہ جائیگا۔ کہ دوسرے ہماری روزہ داری کو دیکھ کر یہ قیاس کریں کہ ہم نیک ہیں۔ ریاکاری کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے اور یہی وُہ گُناہ ہے جس کی مذمت یسُوع مسیح نے بڑے زور دار الفاظ میں کی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے ہم اپنے اصلی مقصد کو پا نہیں سکتے بلکہ اس کے برعکس ہمیں غلط اور مہلک چیز حاصل ہو گی۔ جو انسانوں کی ستائش ہے۔ اگر ہمارا روزہ دُرست اور خُدا کی مرضی کے مطابق ہو تو دوسرے لوگ بھی ایک عرصہ کے بعد بھانپ جائینگے کیونکہ لوگ خالی دنیے



سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اُس کا پھل دیکھنا چاہتے ہیں۔ دُرست اور اصلی روزہ ہماری زندگیوں میں ترقی پذیر محبت۔ جرأت اور پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔

روزوں کو خفیہ رکھنے کی ایک اور وجہ بھی ہے اور ہمارے خُداوند نے اس پر بھی تاکید کی ہے۔ روزے کا طمع نفسانیت میں بدل جانا بھی خطرے سے خالی نہیں اور اس طرح سے وہ بجائے فائدہ مند ہونے کے اُلٹا نقصان دہ ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مَیں نے لینٹ میں تمباکو پینا چھوڑ دیا۔ ایک ہفتہ گذر جانے کے بعد میرے نوکر میرے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ مَیں پھر تمباکو پینا شروع کر دوں کیونکہ جب سے مَیں نے تمباکو چھوڑا تھا میرا مزاج تُرش ہو گیا تھا۔ وُہی چیز جو خُدا کی قربت کا باعث ہو سکتی تھی اُن لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوگی جن کے ساتھ مجھے زندگی بسر کرنی تھی۔ اگر ہمارے دوست۔ احباب اور گھر کے لوگ بیزار ہوں تو یہ روزہ بجائے اس کے کہ ہمیں خُدا کے قریب کرے ہمیں خُدا سے دُور تر کر دیتا ہے۔ اس قسم کے روزے انسانی لالچ پر مبنی ہوتے ہیں۔ لینٹ سال کا مُسرت خیز موسم ہے اور ان خوشیوں کو ہماری ذات تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ ہماری معرفت اُن لوگوں تک پہنچنی چاہئیں جن کے ساتھ زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کیونکہ خُدا کے نزدیک ہونے کی یہی پہچان ہے کہ ہم اپنے پڑوسی سے نزدیک تر ہو جائیں۔

اس خیال سے کبھی نہیں گھبرانا چاہئے کہ روزہ اِس قدر پُرخطر ہے۔ روزہ ایک ایسی شاہراہ ہے جس پر چلنے سے انسان اور خُدا کا ملاپ ہوتا ہے مگر جب شیطان یہ دیکھتا ہے کہ خُدا کی نزدیکی کی نیت سے اس راستہ پر چلے جا رہے ہیں تو وُہ ہم پر بڑے سخت آزمودہ حملے کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات اُس کے حملوں کی تاب نہ لا کر ہم شکست بھی کھا جاتے ہیں۔

ہم اُس کے داؤ پیچ سے واقف ہوں تو ہم مقابلہ کے لئے مناسب تیاری بھی کر لیتے ہیں۔ دُنیا میں سب سے مُضر آزمائشیں رُوحانی تکبّر ہے اور یہ ایک ایسی آزمائش ہے جس کا مقابلہ صِرف خُدا کی محبت کر سکتی ہے۔ خُدا نے چند طرزوں کے روزے ہمارے لئے مقرر کئے ہیں اور یہی ہیں جو اُس کی پُر محبت حِکمت کو مقبول ہیں۔ ہم پر واجب ہے کہ نیک نیتی اور خلوص سے اس راستہ پر چلیں جو ہمارے لئے مُنتخب کیا گیا ہے۔ اگر ان دنوں ہم کسی دوست یا پڑوسی کو دیر تک سوتے ہوئے یا پُر تکلّف کھانا کھاتے ہُوئے دیکھیں یا کسی ایسی عیش و عشرت میں مشغول دیکھیں جسے خُدا نے ہمارے لئے منع کیا ہے اور اس پر اُسے ملامت کرنی شروع کر دیں۔ اور اپنے دِل میں یہ کہیں کہ ہم بڑی نیکی کا کام کر رہے ہیں اور اپنے پڑوسی اور دوست سے بہتر ہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم روحانی تکبّر کا شکار ہو گئے ہیں جو سب سے مُہلک گناہ ہے۔ اِسی شیخی نے ہمیں خُدا کی حضوری سے دُور تر کر دیا ہے۔

"عیب جوئی نہ کرو تا کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے ..........

...... اور تو اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو کیوں دیکھتا ہے جب کہ تیری اپنی آنکھ میں شہتیر ہے"۔ اے ریاکار! کیا تو نہیں جانتا کہ قادرِ مطلق کی بے پناہ محبت جیسی تمہارے لئے ہے ویسے ہی تمہارے پڑوسی کے لئے بھی ہے۔ تمہاری نکتہ چینی اور تمہارا روحانی تکبّر اُس کی محبت کو کیوں کر کم کر سکتا ہے؟

ریاکاری۔ طمع نفسانی اور روحانی تکبّر ہمارے ایسے تین جانی دشمن ہیں جو لینٹ کے راستے میں ہمارے سدِّ راہ ہوتے ہیں۔ احتمال ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی منزل پر ضرور شکست کھا جائیگا کیونکہ ہم اپنی



سرشت میں گنہگار ہیں مگر بجائے اس کے کہ مایوس ہوں ہمیں محصول لینے والے کی طرح یہ دُعا کرنی چاہیئے "اے خُدا مجھ گنہگار پر رحم کر۔ اندازہ تو کریں کہ یہ دُعا فریسی کی دُعا سے کس قدر عمدہ اور موزوں تھی۔ اگر ہمارا ارادہ پکا ہو تو وُہ ہمیں اُٹھا کر نئے سِرے سے راستہ پر ڈال دیگا اور وُہ راستہ ہمیں خُدا کی حضُوری میں لے جائیگا۔

یسعیاہ کی کتاب کا اٹھاونواں باب اس لحاظ سے کہ اُس میں صحیح اور غلط روزے کی تمیز کی گئی ہے بہت ہی دلچسپ ہے۔ اُس باب کی آٹھویں آیت میں نبی نے صحیح روزے کا پھل تبلایا ہے۔ کتاب مقدس میں دیکھئے "اپنی افتادہ زمین میں ہل چلاؤ کیونکہ اب موقع ہے کہ تم خُداوند کے طالب ہو"۔ یہ بھی درست کیونکہ اصلی روزہ وہی ہو سکتا ہے جو اپنے مقصد کو پورا کرے۔ ایسٹر اُس مقصد کے حاصل کرنے کا موزوں ترین موقع ہے۔ روزے کا مفہوم خُدا کے نزدیک تر ہونا ہے اور خُدا کی مرضی کو پہچان کر اُس کے فضل سے اُسے پُورا کرنا ہے۔ اگر ایسٹر کے دِنوں میں آپ نے اِن مقصدوں کو پا لیا تو یقین کر لیجئے کہ آپ کے روزے صحیح اور کامیاب تھے۔

بعض لوگ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب روزہ کا مقصد اتنا ہی ہے تو کیوں نہ ہمیں مستقل طور پر روزہ رکھنا چاہیئے اور اس صورت میں لینٹ میں کونسی فضیلت ہے؟ سوال معقول ہے۔ اگر اس سال لینٹ میں ہمارے روزے خُدا کی قربتِ حقیقی اور مُسرّت آمیز رسائی کا باعث ہُوئے تو لینٹ کا معمول ہی ہماری دوسری زندگی کا لائحہ عمل ہو جائیگا اور دوسرے لینٹ میں خُدا اعلیٰ مقاموں کے لئے ہمیں تیار کریگا اور ہمارے لئے مزید حسیات نکل آئینگی۔ ہمارے اور ہمارے خُدا کے تعلقات زیادہ گہرے اور پاکیزہ

ہو جائینگے اور ہر سال ہمارا روحانی معیار گذشتہ سال سے بُلند ہوتا جائیگا۔ اور ہم خُدا کے زیادہ قریب ہوتے جائینگے۔ اگر ایک لینٹ میں ہمارا رُوحانی معیار گذشتہ لینٹ سے بُلند نہیں ہوتا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے رُوزے ناکام رہے۔ خُداوند ہمیں ایسٹر کے بعد بھی اُسی معیار پر قائم رکھیگا جس پر ہم ایسٹر کے دنوں میں پہنچے تھے اور ہر ایسٹر ہماری لمبی زیارت میں ترقی کا باعث ہوگا۔

---

# مُبارک جمعہ

## یعنی

## (مسیح کی صلیب)

لیکن خُدا نہ کرے کہ مَیں کسی چیز پر فخر کرُوں سوا اپنے خُداوند کی صلیب کے جس سے دنیا میرے اعتبار سے مصلوب ہُوئی اور مَیں دُنیا کے اعتبار سے" گلتی ۶/۱۴

مقدس پولوس رسول بار بار اپنی زندگی کی نظر ثانی کرتے ہُوئے فخر کے ساتھ اُس روزِ عظیم کا ذکر کرتے ہیں جس میں خُداوند مسیح نے ان پر ظاہر ہو کر اُن کو زندگی کے ایک زبردست فیصلہ پر آمادہ کیا تھا۔ اگرچہ بادشاہ کے رُوبرُو اپنی عذر خواہی کرتے ہُوئے بھی اُنھوں نے دعوےٰ کیا تھا کہ "اے اگرپا بادشاہ مَیں اُس آسمانی رویا کا نافرمان نہ ہُوا" یہ تھا زندگی کے فیصلے کا وہ بیرونی اور نمایاں ظہور جس کا ذکر وہ بے ساختہ ہر کس و ناکس کے رُوبرُو کر سکتے تھے۔



لیکن اِس فیصلے میں زندگی کا ایک اور گہرا روحانی مگر شخصی تجربہ بھی شامل تھا جس کا ذکر فقط انہیں سے کیا جا سکتا تھا جن کو عالم روحانیات میں دخل حاصل ہو۔ چنانچہ فلپیوں کے خط میں جب وہ زندگی کے اس بڑے گُرو منتر (یعنی چھُپا ہُوا بھید) کا ذکر کرتے ہیں جو مسیح یسُوع کو حاصل کرنے میں اُن کے ہاتھ لگا تو اس کا بیان وہ یُوں فرماتے ہیں کہ:۔

"مَیں پست ہونا بھی جانتا ہُوں اور بڑھنا بھی جانتا ہوں۔ ہر ایک بات اور سب حالتوں میں مَیں نے سیر ہونا۔ بھُوکا رہنا اور بڑھنا گھٹنا سیکھا ہے۔ جو مجھے طاقت بخشتا ہے اُس میں مَیں سب کچھ کر سکتا ہُوں" (فلپیوں ۴: ۱۲-۱۳) اسی خط میں وہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ زندگی کا یہ بڑا گرو منتر اُن کے ہاتھ کیونکر لگا۔ اور اسی سلسلے میں وہ اس بڑے دن کے اندرونی رُوحانی تجربے کا بھی بیان کرتے ہیں جس میں مسیح یسُوع اُنہیں ملا۔

چنانچہ وہ اُس دن کے تجربے کا یُوں تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک روز مَیں نے غائبانہ طور پر کسی نادیدنی ہاتھ کی گرفت اپنی زندگی پر محسوس کی۔ اُن کا بیان ہے کہ اُس وقت مجھ سے اَور تو کچھ بن نہ پڑا سوا اس کے کہ مَیں نے بیساختہ اُس ہاتھ کو پکڑ لیا جس نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ اُس وقت تو مَیں اُس ہاتھ کو پہچان نہ سکا مگر ہاں پھر مجھے پتہ لگا کہ کیلوں سے چھدا ہُوا یہ ہاتھ میرے پیارے خُداوند ہی کا ہے۔ (ملاحظہ ہو فلپیوں کا خط تیسرا باب اور بارہ سے چودہ آیت) "یہ غرض نہیں کہ مَیں پا چکا یا کامل ہو چکا ہُوں بلکہ اُس چیز کے پکڑنے کے لئے دَوڑا ہُوا جاتا ہُوں جس کے لئے مسیح یسُوع نے مجھے پکڑا تھا۔ اے بھائیو میرا یہ گمان نہیں کہ پکڑ چکا ہُوں بلکہ صرف یہ کرتا ہُوں کہ جو چیزیں پیچھے رہ گئیں اُن کو بھُول کر آگے کی چیزوں کی طرف بڑھا

ہوا نشانہ کی طرف دوڑا ہوا جاتا ہوں تاکہ اُس انعام کو حاصل کروں جس کے لئے خدا نے مجھے یسوع مسیح میں اوپر بلایا ہے"۔

وہ فرماتے ہیں کہ اُس روز ایک بڑا مشغلہ میرے ہاتھ لگا۔ جس میں زندگی کا ایک بڑا انعام اور ایک انتہائی نشانہ بھی شامل تھا اور وہ مشغلہ یہ تھا کہ "مسیح کو حاصل کروں اور اُس میں پایا جاؤں" اور چونکہ مسیح یسوع میں مجھے ایک شاندار مستقبل اور لامحدود زمانے کی ترقی کا امکان نظر آیا اس لئے مجھے ایک ہی بات کی دُھن لگ گئی اور آخرکار وہی میرا انعام بھی ثابت ہوئی۔ یعنی "تاکہ کسی طرح مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے درجے تک پہنچوں"۔ پس اُس کو حاصل کرنے کے لئے میری زندگی کے "نشانہ" میں بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اور گو اس سے بیشتر مَیں اپنے مذہب کا پابند تو تھا لیکن میرا "نشانہ" ہنوز دُنیا ہی تھی۔ پر "مسیح کو حاصل کرنے"۔ اور "اُس میں پائے جانے" کے حوصلے میں مجھے ایک اور ہی عالم نظر آیا یعنی آسمان میرا وطن۔ کیونکہ میرا خداوند وہاں ہے۔ چنانچہ رسول اس باب کی بیسویں آیت میں یُوں فرماتے ہیں "مگر ہمارا وطن آسمان پر ہے۔ اور ہم ایک منجی یعنی خداوند یسوع مسیح کے وہاں سے آنے کے منتظر ہیں"۔ سچ ہے آسمان اسی لئے ہمارا وطن ہے کہ ہمارا خداوند وہاں ہے۔ کسی مسیحی سنت نے کیا خوب کہا ہے۔ "اے مسیح آسمان میرے لئے جہنم ہے اگر تُو وہاں نہیں اور جہنم میرے لئے بہشت بن جائے اگر تُو وہاں ہو"۔

رسول فرماتے ہیں کہ اُس روز مجھ کو زندگی کا ازسر نَو جائزہ لینا پڑا۔ مثلاً قومی فوقیت۔ خاندانی فضیلت۔ آبائی مذہب کی اعلیٰ روایات کی



پائیداری جن کو مَیں اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا تھا لیکن جب اُنہیں چیزوں کو اُس روز مَیں نے شاندار مستقبل کے ترازو کے ایک پلڑے پر رکھا اور دوسری طرف اپنی زندگی کا نیا مشغلہ یعنی "مسیح کو حاصل کروں اور اُس میں پایا جاؤں" تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں جن پر اُن کو بڑا ناز تھا وزن میں پاسنگ بھر بھی نہ اُتریں اس لئے اُن کے بقول اُنہوں نے اُن چیزوں کا ڈھیر لگا کر اُس پر بڑے حرفوں میں یُوں لکھا۔ "نقصان"۔ "کوڑا" اب سنئے کہ رسول اپنے مُنہ سے اُس دن کے عظیم فیصلہ کی نسبت کیا فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی اور کو جسم پر بھروسہ کرنے کا خیال ہو تو مَیں اُس سے زیادہ بھی کر سکتا ہُوں۔ آٹھویں دن میرا ختنہ ہُوا۔ اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلے کا ہُوں عبرانیوں کا عبرانی شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔ جوش کے اعتبار سے کلیسیا کا ستانے والا۔ شریعت کی راستبازی کے اعتبار سے بے عیب۔ لیکن جتنی چیزیں میرے نفع کی تھیں اُنہیں کو مَیں نے مسیح کی خاطر نقصان سمجھ لیا ہے۔ بلکہ مَیں اپنے خداوند یسوع مسیح کی پہچان کی بڑی خوبی کے سبب سب چیزوں کو نقصان سمجھتا ہُوں جس کی خاطر مَیں نے ساری چیزوں کا نقصان اُٹھایا۔ اور اُن کو کوڑا سمجھتا ہُوں تاکہ مسیح کو حاصل کرُوں اور اُس میں پایا جاؤں"

(فلپیوں ۳: ۴-۸)

پھر وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جُونہی مَیں نے زندگی اور موت کا انتہائی فیصلہ کیا تُوں ہی مجھے زندگی میں ایک نئی قوت کا احساس ہُوا جس کے زیرِ اثر مجھ سے پیچھے پھر کر دیکھنے کی عادت چھُوٹ گئی۔ نیز میری زندگی میں ایک نئی کشش پیدا ہوئی جو مُجھ سے کہتی تھی کہ پیچھے مت دیکھو بلکہ اُوپر کو دیکھ۔ یُوں مَیں نے اپنی زندگی میں اُوپر کی جانب ایک کھینچ سی محسوس کی۔

پس وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاؤں خودبخود دوڑنے لگے۔ چنانچہ اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں:—

"اے بھائیو میرا یہ گمان نہیں ——— کہ پکڑ چکا ہُوں۔ بلکہ صرف یہ کرتا ہُوں کہ جو چیزیں پیچھے رہ گئیں اُن کو بھول کر آگے کی چیزوں کی طرف بڑھا ہُوا نشان کی طرف دوڑا جاتا ہُوں تاکہ اُس انعام کو حاصل کروں جس کے لئے خُدا نے مجھے یسُوع مسیح میں اُوپر بلایا ہے (فلپیوں ۳: ۱۳-۱۴) پس اَن کا کہنا یہ ہے کہ یہ نئی قوت جس سے مجھے پیچھے پھر کر دیکھنے کی عادت اور نیچے کی چیزوں کو پیار کرنے کی رغبت سے چھٹکارا ملا اور جس سے مجھ میں اُوپر کی جانب کشش کا زور اور پاؤں میں بجلی کی طرح آگے دوڑنے کی قوت کا احساس ہُوا وہ فقط اُس قدرت کی بدولت ہُوا جس سے مسیح خُداوند مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ پھر کیا تھا مجھے تو یہ دُھن لگ گئی کہ "میں اُس کو اور اُس کے جی اُٹھنے کی قدرت کو معلوم کروں" چنانچہ رسول اپنے خط میں جو اُنہوں نے افسیوں کو لکھا اسی قوت کی تحصیل پر تاکید کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ "تمہارے دل کی آنکھیں روشن ہو جائیں تاکہ تم کو معلوم ہو کہ.... ....ہم ایمان لانے والوں کے لئے اُس کی بڑی قدرت کیا ہی بے حد ہے۔ اُس کی بڑی قوت کی تاثیر کے موافق جو اُس نے مسیح میں کی جب اُسے مُردوں میں سے جلا کر اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں پر بٹھایا (افسیوں ۱: ۱۸-۲۰) یعنی اُس دن سے وہی الٰہی قوت میرے تصرّف میں آگئی جس سے خُدا نے اپنے پیارے بیٹے کو مُردوں میں سے جلا کر اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں پر بٹھایا۔

چنانچہ ایک لامحدود الٰہی قدرت میرے روزمرّہ کے تصرّف میں آنے لگی جو مجھے مفت بطورِ انعام کے عطا کی گئی تھی۔ یاد رہے کہ ہم خُداوند مسیح



کی قیامت کو اُس کی صلیبی موت سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ کون ہے جو اُس کی قیامت کی بادشاہی میں تو حصّہ دار ہونے کی جرأت کرے مگر اُس کے ساتھ دُکھ اُٹھانے کو تیار نہ ہو۔ اسی لئے یہ الٰہی زندگی کا اصول مسیحی مذہب کے مسلّمات میں داخل کیا گیا ہے جیسا کہ رسول فرماتے ہیں "یہ بات سچ ہے کہ جب ہم اُس کے ساتھ مر گئے تو اُس کے ساتھ جئیں گے بھی۔ اگر ہم دُکھ سہینگے تو اُس کے ساتھ بادشاہی بھی کرینگے" (۲ تمتھیس ۲: ۱۱-۱۲) پس "مسیح کے حاصل کرنے اور اُس میں پائے جانے" کے شغل کا سب سے پہلا زینہ یہ ہے کہ "میں...... اُس کے ساتھ دُکھوں میں شریک ہونے کو معلوم کروں اور اُس کی موت سے مشابہت پیدا کروں" یہی سیڑھی ہے جس کی مدد سے ہم "مسیح کو اور اُس کے جی اُٹھنے کی قدرت کو" اپنی روزمرّہ کی زندگی میں جان سکتے ہیں۔ پس مسیح کے جی اُٹھنے کی قدرت میں شریک ہونے کی ایک ہی شاہراہ ہے یعنی ہم اُس کے ساتھ دُکھ اُٹھائیں۔ اسی لئے پولُوس رسول فرماتے ہیں کہ "ہم خُدا کے وارث اور مسیح کے ہم میراث بشرطیکہ ہم اُس کے ساتھ دُکھ اُٹھائیں تاکہ اُس کے ساتھ جلال بھی پائیں (رومیوں ۸: ۱۷) پر پولُوس رسول جیسے کٹر یہودی کے لئے صلیب کا سبق سیکھنا کوئی آسان کام نہ تھا کیوں کہ اُن کو موسیٰ کی شریعت کا وہ فیصلہ یاد تھا کہ "جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے" یُوں مسیح مصلوب پولُس جیسے یہودی کے لئے ٹھوکر کھلانے والا پتھر سا نظر آیا مگر جب اُنہوں نے اُس رویا کی روشنی میں مسیح مصلوب پر نظر ڈالی اور وہاں اپنے گناہوں کے بوجھ کو اُس نگاہ سے دیکھا جس نگاہ سے خُدائے قدوس انہیں دیکھتا تھا تو معاً اُن پر اُس زندگی کی بھی حقیقت کھُل گئی جو وہ اب تک موسیٰ کی شریعت کے زیرِ سایہ بسر کر رہے تھے۔ یوُں اُن پر یہ بھی ظاہر

کیا گیا کہ وہ "مردِ غمناک اور رنج کا آشنا" "خُدا کا پیارا بیٹا ہے" جس نے ہماری مُشقتیں اُٹھائیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا پر ہم نے اُسے خُدا کا مارا کُوٹا اور ستایا ہوا سمجھا حالانکہ وہ ہماری خطاکاری کے سبب سے گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاری کے باعث کُچلا گیا۔ ہماری سلامتی کے باعث اُس پر سیاست ہُوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں"۔

یہ سچ ہے کہ لکڑی یا صلیب ذِلّت اور لعنت کا طوق تھی جس کو میرے خُداوند نے، میری خاطر خوشی سے پہن لیا اور یوں "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا" پس یہ میرے خُداوند کی پاک ہستی اور اُس کی کامل قربانی تھی جس نے صلیب کو جو درحقیقت ذِلّت اور شرمساری کا طعنہ تھی میرے لئے زینت کا زیور بنا دیا چنانچہ رسول فرماتے ہیں کہ "خُدا نہ کرے کہ مَیں کسی چیز پر فخر کروں۔ سوائے اپنے خُداوند یسُوع مسیح کی صلیب کے جس سے دُنیا میرے اعتبار سے مصلوب ہوئی اور مَیں دُنیا کے اعتبار سے"۔

پس جس دن پولُس رسول نے زندگی اور موت کا انتہائی فیصلہ کیا تو اُن کو اُس فیصلہ کے لئے قیمت بھی ادا کرنی پڑی اور وہ قیمت جو اُنہوں نے ادا کی دُنیا تھی "جس سے دُنیا میرے اعتبار سے مصلوب ہوئی اور مَیں دُنیا کے اعتبار سے"۔ پس پہلے ہی دن جب اُنہوں نے اِن چیزوں کو "کوڑا" اور "نقصان" تسلیم کر لیا تو اُن کو ساری زندگی اپنے آپ کو صلیب پر رکھنا پڑا۔ کیونکہ کوئی دُنیا کے اعتبار سے مصلوب ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ ہر روز مرنے کو تیار نہ ہو اِس لئے رسُول حلفیہ اِس موت کا یقین دلاتے ہیں:۔

"اے بھائیو مجھے اِس فخر کی قسم جو ہمارے خُداوند یسُوع مسیح میں



تم پر ہے مَیں ہر روز مرتا ہُوں" (۱-کرنتھیوں ۱۵: ۳۱)

کیونکہ اس پہلے دن جب مسیح خُداوند اُن پر ظاہر ہُوا اور اُنہوں نے مسیح کی صلیب کے دُکھ کو دیکھا تو اُن پر یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ اُس کو ایذا پہنچانے میں رسول خود بھی شریک تھے۔ چنانچہ جب وہ اپنے رجوع لانے کا حال بیان فرماتے ہیں تو کہتے ہیں "مَیں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل اے ساؤل۔ تُو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ مَیں نے کہا اے خُداوند تُو کون ہے؟ خُداوند بولا مَیں یسُوع ہُوں جسے تُو ستاتا ہے" اس لئے کہ پولُس جب کلیسیا کو ستاتے پھرتے تھے تو اُن کا گمان یہ تھا کہ مَیں صرف ایک حقیر دُنیا چیز فرقے نصاریٰ ہی کو ستاتا تھا پر اُس روز اُن کو پتہ چلا کہ یہ تو خود میرا خُداوند ہی تھا جسے مَیں ایذا پہنچا رہا تھا۔ اُس روز پولُس رسول پر یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ اے ساؤل جب تو میرے بندوں کو پٹواتا تھا تو ایک بیت بھی میرے بندوں کی پیٹھ پر ایسا نہ پڑا جس کی سانٹھ میرے بدن پر نہ ہو اور جب تُو میرے شہید اِستفنس کے قتل پر راضی تھا تو یاد رکھ کہ اُس کے بدن پر ایک بھی پتھر ایسا نہ لگا جس کے زخم کا داغ میرے بدن پر نہ ہو۔

کیا عجب کہ رسول نے اُس دن کی رویا میں مقدّسوں کے زخموں کے داغ خُداوند کے بدن پر دیکھے ہوں اور اُسی دن سے جب اُنہوں نے اپنی زندگی مسیح کی صلیب پر رکھدی تو اُن کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہو کہ کاش میرے بدن پر بھی خُداوند کے دُکھوں کے داغ نمایاں ہوں (اس داغ کو مقدّسین اپنی اصطلاح میں Stigmata " (اسٹگماٹا) کے نام سے پکارتے ہیں)

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول صلیب کے مخالفوں کو للکار کر کہتے ہیں۔ کہ "آگے کو کوئی مجھے تکلیف نہ دے کیونکہ مَیں اپنے جسم پر یسُوع کے داغ لئے

بھرتا ہوں"۔ یعنی میرے دُکھوں کے داغ میرے خُداوند کے بدن پر اور میرے خُداوند کی اذیت کے داغ میرے بدن پر۔ یہی صلیب میں پوری پُوری شراکت ہے پس صلیب کے دُکھوں کا اندازہ اگر کسی طرح ہوسکتا ہے تو فقط اسی شراکت میں کسی قدر ممکن ہے۔ بے شک اس دُکھ کی حد کا جو میرے خُداوند پر میری خاطر پڑا کون بیان کرسکتا ہے، کیونکہ وہ فقط میرے ہی گناہوں کا باربردار نہیں بلکہ ساری دُنیا کے گُناہوں کا "دیکھو یہ خُدا کا برہ جو دُنیا کا گناہ اُٹھائے جاتا ہے" (یوحنا ۱: ۲۹) اس صلیبی موت کے پیچھے خُدا کا بے بدل اور بے پایاں پیار تھا اور اس انتہاہ پیار کی حد اور دُکھ کی شدّت کا کسی قدر اندازہ لگانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم فرداً فرداً اُس پیار پر قبضہ کریں۔ پولُس رسول نے یُوں ہی اس دُکھ کی حد کو سمجھنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ وہ بیان فرماتے ہیں کہ "یہ بات سچ اور ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق ہے کہ مسیح یسُوع گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے دُنیا میں آیا جن میں سب سے بڑا میں ہُوں" رسول نے اپنے آپ کو گنہگاروں کے گروہ میں رکھ کر اپنے لئے اس پیار کو اخذ کرنے کی کوشش کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ "یہ بات سچ ہے" کہ اگر اس دُنیا میں سوائے میرے اور کوئی گنہگار نہ ہوتا تو بھی وہ پیار کا خُداوند مجھ کو میری حالت پر چھوڑ کر آسمان میں نہ رہ سکتا بلکہ وہ مجھ اکیلے کی خاطر اس دُنیا میں آتا اور صلیب کا دُکھ سہتا چنانچہ میری زندگی کی محتاجی کا احساس وہ پیمانہ ہے جس کو میرا خُداوند دُکھ کے فیض سے بھر دیتا ہے۔ اور جس قدر میں اپنی زندگی کو خالی کرسکتا ہُوں اُسی قدر میرا خُداوند اُس کے بھرنے پر قادر ہے پس اگر حد بندی ہوسکتی ہے تو وہ صرف میری طرف سے پر خُداوند کا فیض لامحدود ہے۔ یوں میری زندگی خُداوند کے دُکھوں کو ظاہر کرنے کا پیمانہ بن جاتی ہے۔ پر یہ دُکھ اس قدر شدید



اور بے حد ہے کہ نہ تو یہ کسی ایک زندگی کے پیمانے میں سما سکتا ہے اور نہ اُس نفع کا عِلم جو اس دُکھ سے صادر ہے پورے طور پر حاصل کرنے کے لئے اس دُنیا کی چند روزہ زندگی میں کافی ہوسکتا ہے اس لئے دو باتوں کی ضرورت ہے:۔

اوّل۔ ایک عالمگیر برادری کا نظام

دوم۔ ایک ابدی زمانے کا دَور

خُدا کا شکر ہو کہ مسیح یسُوع میں خُدا نے ہمارے لئے ان ہر دو ضرورتوں کو پورا کرنے کا سامان مہیّا کر دیا ہے:۔

(الف) ایک عالمگیر برادری کا نظام

یہ پاک کیتھلک کلیسیا ہے جو خُدا کا گھرانا اور "مسیح کا پاک بدن ہے اس برادری کے زیرِ انتظام ایک ایسی گہری عالمگیر رفاقت ہے کہ جس میں ہم اس پیار کی حد کو کسی قدر جان سکتے ہیں "جو ہمارے جاننے سے باہر ہے" پس مقدّسوں کی رفاقت کی یگانگت میں، اس کامل پیار کے سمجھنے اور اس دُکھ میں داخل ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ میں اپنے آپ کو خالی کرکے اور گھٹنوں پر گر کر اس صلیبی دُکھ کا حِصّہ اپنے لئے خُداوند سے دان میں مانگوں یُوں میری زندگی وہ برتن بن جاتی ہے جس کو میرا خُداوند اپنی صلیبی موت کے دُکھ سے بھر دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اس نظام میں بڑے سے بڑے مقدّس کے ہاتھ جو حِصّہ اس انتہاہ محبّت اور اُس پُردرد صلیب کا لگتا ہے اُس کی حقیقت ایک شمہ سے زیادہ نہیں اسی طرح کلیسیا کی عالمگیر یگانگت میں سب مقدّسوں سمیت ہمیں بھی اس محبّت کے جاننے کا موقع ملتا ہے جو جاننے سے باہر ہے" پولُس رسول اس بیش بہا محبّت کا افسیوں کے خط میں یوں ذکر کرتے ہیں کہ "ایمان کے وسیلے سے مسیح تمہارے دِلوں میں سکونت کرے۔ تاکہ تم محبّت میں

جڑ پکڑ کر اور بنیاد قائم کر کے سب مقدسوں سمیت بخوبی معلوم کر سکو کہ اس کی چوڑائی اور لمبائی اور اونچائی اور گہرائی کتنی ہے اور مسیح کی اس محبت کو جان سکو جو جاننے سے باہر ہے۔ تاکہ تم خُدا کی سب معموری تک معمور ہو جاؤ۔
(افسیوں ۳: ۱۷-۱۹)

پھر کلیسیا کی پاک ترین مرکزی عبادت میں جب ہمارا پیارا خُداوند ہم کو اپنے پاک بدن اور بیش قیمت خون کی شراکت میں داخل ہونے کے لئے بلاتا ہے۔ تو اس پاک ساکرامنٹ میں ہم کو سچ الواقعی مسیح کی صلیبی موت کی پیڑ اور اذیت کو جو اُس نے میری خاطر سہی اپنی زندگی میں معلوم کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئے رسول فرماتے ہیں کہ "جب کبھی تم یہ روٹی کھاتے اور اس پیالے میں سے پیتے ہو تو خُداوند کی موت کا اظہار کرتے ہو جب تک وہ نہ آئے" (اکرنتھیوں ۱۱: ۲۶)

(ب) ابدی زمانے کا دَور

اس ابدی زمانے کے دَور کے اندر مسیح کی صلیب کی شراکت میں دو بڑی فضیلتوں کا امکان ہے:-

اوّل - دائمی ترقّی کا امکان

دوم - دائمی خدمت کا موقع

(الف) دائمی ترقی کا امکان:-

اس کے لئے جب رسول اس محبّت کی تعریف کرتے ہیں جو "ہمارے جاننے سے باہر ہے" تو اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں "تاکہ تم خُدا کی ساری معموری تک معمور ہو جاؤ"۔ پس اس محبّت کے جاننے اور اس معموری کو اپنے آپ میں جذب کرنے کے لئے مسیح میں ہمارے سامنے لامحدود مستقبل



رکھا گیا ہے۔ یہاں ہم نے اس فیض سے معمور ہونے کے لئے محض چند ایک قطرے پائے ہیں۔ میرے خُداوند کی بیش بہا موت میں تو بے شمار خوبیوں کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ جس کی تحقیق کے لئے دائمی ترقّی کا انتظام ہے۔ اس بیش بہا خزانے کو رسول نے ان پُرزور لفظوں میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے "مسیح کی بے قیاس دولت" یعنی وہ ایسی پُر افزائش بخشش ہے کہ اگر سارا عالم ابد تک اُس میں سے اپنے لئے لیتا رہے تو بھی اس دولت کا ذخیرہ کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ اِس کی دُنیا میں کوئی مثال تو نہیں مِل سکتی البتہ موٹے طور پر اس پُرفیض چشمے کی بھرپوری کو سمجھنے کے لئے مجھے اپنے مُلک کا ایک قدیم دستور یاد آتا ہے چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ:—

ہمارے دیہاتوں میں ہماری بیٹیاں اپنے روزمرّہ استعمال کے لئے کسی دریا یا کنوئیں سے ہر صبح و شام پانی بھرنے جاتی ہیں۔ ان پنگھٹوں پر آپ چھوٹے بڑے گھڑے بعض مٹّی کے بعض لوہے کے اور بعض تانبے یا پیتل کے رکھے ہُوئے پائینگے۔ ہر عورت اپنی حیثیّت اور ضرورت کے مطابق پانی بھر کر روزانہ لے جایا کرتی ہیں۔ پر اگر آپ اُن میں سے کسی لڑکی سے پوچھیں کہ بیٹی اس کنوئیں میں کتنا پانی ہے یا یہ کہ اس دریا میں کتنے گیلن پانی بہتا ہے تو وہ آپ پر ہنسیگی اور یہ کہیگی کہ بابا مجھے یہ تو پتا نہیں کہ اس میں کتنے گیلن پانی ہے پر مَیں اتنا جانتی ہُوں کہ اس میں سے میری نانی پانی بھرا کرتی تھی اور مَیں نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماں کو پانی بھرتے دیکھا ہے اور اب مَیں اتنے برسوں سے پانی بھرنے آتی ہُوں اور مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی بھی اسی میں سے پانی بھرتی رہیگی پر تو بھی اُس کنوئیں میں پانی بھرا ہُوا ہے اور اس دریا میں پانی اُسی طرح موجیں مارتا ہے۔

اسی طرح ہم بھی جب آسمان میں پہنچینگے اور اپنے خُداوند کو اُس کے کامل جمال میں دیکھینگے تو ہم کو بھی کسی قدر پتہ لگیگا کہ وہ چشمہ جو مسیح کے لہو کا صلیب سے جاری ہے کیونکر سارے جہان کے لئے کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہے اسی لئے بوڑھے یوحنا رسول جب ان فیوض کا ذکر کرتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت مسیح کی زندگی میں حاصل کئے تو وہ یُوں فرماتے ہیں۔ "کیونکہ اُسی کی معموری میں سے ہم نے پایا یعنی فضل پر فضل" ہمیں اس لہو کے دھارے کی اب تک فقط ایک ہی خوبی کا پتہ لگا ہے یعنی وہ ہمارے گناہوں کی معافی اور اس کی قوت سے رہائی دینے پر قادر ہے اسی لئے ہم اپنی حمد و ثنا میں اُس خون کی تعریف یُوں کرتے ہیں۔

"جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور جس نے اپنے خون کے وسیلے سے ہم کو گناہوں سے خلاصی بخشی اور ہم کو ایک بادشاہت۔ اور اپنے خدا اور باپ کے لئے کاہن بھی بنا دیا اُس کا جلال اور سلطنت ابدالآباد رہے آمین"

لیکن اس میں اور بے شمار اور بیش بہا خوبیاں ایسی چھپی ہُوئی ہیں جن کا ابھی تک ہمیں پتہ بھی نہیں لیکن آسمان میں پہنچکر زمانوں کے زمانوں تک ان کو اپنی زندگی میں قبول کرتے رہینگے تب کہیں اس بے قیاس دولت کی بھرپوری کے سمجھنے کا ہم میں ملکہ پیدا ہوگا اسی لئے وہ بخشش جو خُداوند مسیح نے عطا فرمائی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ چنانچہ رسول فرماتے ہیں کہ "خُدا کی بخشش ہمارے خُداوند یسُوع مسیح میں ہمیشہ کی زندگی ہے"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ترقی لامحدود ہے یعنی "ہم قوت سے قوت تک ترقی کرتے جائینگے" جب تک کہ "اپنے خُداوند کی پہچان میں اُس کے پُورے قد کے اندازے تک نہ پہنچ جائیں"۔



(ب) اِس ابدی زمانے کے دَور میں دائمی خدمت کا موقع:۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ پیار کا خُداوند جس نے اپنی جان میرے لئے دی اُس کو میری اس نکمی زندگی کی ضرورت ہے چنانچہ وہ ہم سے کہتا ہے کہ:۔ "میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو"۔ پھر یہ کہ "کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے"۔

پس مسیح یسُوع میں میرے سامنے اُس کی خدمت کے لئے ایسے بیشمار مرحلے ہیں جو مجھے طے کرنا ہیں۔ یہاں اس دُنیا میں تو مجھے اُس کے ساتھ فقط دُکھوں میں شریک ہو کر ہی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے پر اس سے آگے مجھے ابدی زمانے کی خدمت گذاری کا ایک ایسا عالم نظر آتا ہے جس کی نسبت خُدا کا کلام کہتا ہے "خُدا کا خیمہ آدمیوں کے درمیان ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ اُن کی آنکھوں سے سب آنسو پونچھ دیگا اس کے بعد موت نہیں رہیگی۔ اور نہ ماتم رہیگا نہ آہ و نالہ نہ درد"۔

پس اے پیارو خُداوند کی موت کی مشابہت میں داخل ہو کر خدمت کرنے کے دن ہمیں فقط یہاں زمین پر ہی ملتے ہیں اس کے بعد ابدی زمانے ہیں جن میں ہم آسمان کے آرام میں اُس کی عین نزدیکی میں رہ کر اُس کی خدمت کرتے رہینگے اُس وقت ہم ایسے طور پر پہچانینگے جیسا مَیں پہچانا گیا ہُوں۔ میرا جی بھی چاہیگا کہ کاشکہ مَیں دُنیا میں دوبارہ جا کر پھر ایسے پیارے خُداوند کے لئے دُکھ کے ساتھ خدمت کرسکوں مگر یہ موقع پھر ہرگز نہ ملیگا اسی لئے رسول فرماتے ہیں کہ "مسیح کی خاطر تم پر یہ فضل ہوا نہ فقط اُس پر ایمان لاؤ بلکہ اُس کی خاطر دُکھ بھی سہو" (فلپیوں ۱: ۲۹) پس ہماری مسافرت کے دن اس دُنیا کے

فانی میں تھوڑے ہیں جن میں ہمیں یہ موقع حاصل ہے کہ نہ فقط مسیح پر ایمان لائیں بلکہ اُس کی خاطر دُکھ بھی اُٹھائیں ۔

---

# "فتح"

## (ایسٹر)

"لیکن فی الواقع مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

از جملۂ رفتگانِ ایں راہ دراز
باز آمدۂ کو کہ بما گوید راز
ہاں بر سرِ ایں دو راہ از ناز و نیاز
چیزے مگذاری کہ نمے آئی باز

"عمر خیام"

جب فارس کے شاعر اور فلسفی عمر خیام کا ہمہ گیر موت کے راز اور تاریکی سے سامنا ہُوا تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اندوہناک طرز پر مذکورہ بالا رباعی کہی۔ مسیح سے عاری مذہب اور فلسفہ کی تاریک دُنیا نے بھی بنی نوع انسان کے اس عظیم اور ہیبتناک دُشمن پر خوف بلکہ مایوس کُن غم سے غور و فکر کیا ہے ۔ ہندوستان میں سب طرف جب موت کا بے رحم ہاتھ گھروں سے یکے بعد دیگرے عزیزوں کو چھین لے جاتا ہے تو آہ و زاری کا ایک لاحاصل شور سُنائی دیتا ہے ۔ بشرطیکہ ہم سُننے کے اہل ہوں ۔ کوئی غمگسار نہیں ۔ یہ لوگ دُنیا میں بے خُدا اور بے اُمید



ہیں ۔ زمانہ شاید غم کی یاد کو قدرے بھلا دے ، روایتی سکون دل کو سنگین بنا دے ، تقدیر کے ہاتھوں خود سپردی بے جا سوز بجھا دے ، زندگی کی فکریں اور خوشیاں عارضاً خوف اور غم سے رہائی دلا دیں ۔ لیکن انسانی دل کی بلند ترین پکاروں کی ہمہ گیر موت کی تاریک خاموشی سے کوئی تسلی بخش جواب دستیاب نہیں ہوتا ۔ کیا انسانی تخلیق کا یہی مدعا ہے ؟ کیا انسان کے نفس و رُوح کی اعلےٰ ترین خواہشیں اور اُمنگیں جن کی بابت واعظ نے یُوں کہا ہے "اُس نے ابدیت کو بھی اُن کے دل میں جاگزین کیا ہے" فنا ہونگی ؟ کیا انسان حیوانوں کی موت مرے گا ؟

انسان نے اس بات کو قابلِ یقین نہیں سمجھا ہے ۔ اور اپنے مستقبل کے مُتصورہ بہشت و دوزخ کو اپنی امیدوں اور اندیشوں ، جہنم کی تاریکیوں ، جنگ کے بہادروں اور حورانِ بہشتی سے آباد کیا ہے ۔ زمانۂ حاضرہ میں بالخصوص مغربی ممالک میں رُوح کے غیر فانی ہونے کا عقیدہ ۔ انتقال یافتہ لوگوں سے راہ و ربط پیدا کرنے کی کوششوں کا محرک ثابت ہُوا ہے ۔ تاہم اُس خطۂ تاریک سے کوئی راہ رو مستند خبر لے کر نہیں لوٹا ہے غمگین دل کی پکاروں کے جواب فریب دِہ آوازوں میں ملتے ہیں ۔

ان اطلاقات سے صرف ایک شخصیت مبرا ہے ۔ وہ ہے وہ نجات دہندہ جو پہلے ایسٹر کی صبح کو قبر سے جلالی صورت میں جی اُٹھا ۔ مسیح نے موت کے ذریعہ سے شیطان کو جسے موت پر قبضہ حاصل تھا مغلوب کیا ، اور موت کے خوف سے غلامی میں زندگی بسر کرنے والوں کو رہائی بخشی (عبرانی ۲: ۱۴، ۱۵) وہ بنی نوع انسان کے لئے حیاتِ جاودان کی سچی اور برحق خوشخبری لایا ہے یہ خوشخبری ، مایوسی میں سے امید ، قبر پر فتح ، موت میں سے زندگی ۔ اور گناہ

سے رہائی پیدا کرنے کی موجب ہے۔" پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دُنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یُوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی اس لئے کہ سب نے گناہ کیا۔" (رومی ۵/۱۲) بعینہٖ ایک بے گناہ انسان یعنی ہمارے خداوند یسُوع مسیح نے ضیا اور بقا کی خوشخبری کا انعام بخش کر موت اور تاریکی کو منسوخ کر دیا ہے (۲ تمتھیس ۱/۱۰)

عالمگیر موت اور غم کی شدت کو گذشتہ چند سالوں کی جنگ عام کے جرم وستم نے بہت ترقی دی ہے۔ اس سیاہ پس منظر کے بالمقابل مسیح کی صلیب خالی قبر کے نزدیک غیر فانی جلال سے منوّر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی انقلاب کے پیشواؤں نے مسیحیت کے دقیانوسی وہم کی بجائے ایک نیا مذہب عقل ایجاد کیا۔ اس نئے دین کا ایک دل شکستہ مرید ایک مشیرِ منبر سے اس امر کے بارہ میں صلاح لینے کے لئے آیا کہ یہ نئی تحریک کس طرح عوام کو زیادہ کامیابی سے اپنے قابو میں لا سکتی ہے۔ حیران کُن جواب یہ ملا کہ نیا مذہب تب ہی کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ اُسے ایک ایسا ہادی ملے جو مصلوب ہو کر تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ ہاں، زندہ مسیح ہی صرف انسان کی عمیق ترین احتیاجوں کی تشفّی کر سکتا ہے۔

یہ مسیحیت کی شان ہے۔ کہ مسیح کتابِ مقدّس کے مطابق گناہوں کے لئے مؤا۔ اور دفن ہؤا اور تیسرے دن کتابِ مقدّس کے مطابق جی اُٹھا (ا کرنتھی ۱۵/۳، ۴) اور اسی سے اُس پُرانے سوال کہ "اگر آدمی مر جائے تو کیا وہ پھر جئیگا" (ایوب ۱۴/۱۴) کا تاریخی اور فوق الفطری لحاظ سے مستند جواب ملتا ہے۔

جیسے ا کرنتھیوں کا تیرھواں باب مسیحی اخلاق کا جزو اہم ہے۔ ویسے ہی پندرھواں باب مسیحی الٰہیات کا ایک ضروری حصّہ ہے۔ رسول فرماتا ہے۔



کہ "اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو تمہارا ایمان بے فائدہ ہے۔ تم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتار ہو...... اگر ہم صرف اسی زندگی میں مسیح میں اُمید رکھتے ہیں۔ تو سب آدمیوں سے زیادہ بدنصیب ہیں۔" "لیکن فی الواقع مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور جو سو گئے ہیں۔ اُن میں پہلا پھل ہؤا۔ (ا کرنتھی ۱۵/۱۷، ۱۹، ۲۰)

آؤ ہم مسیح کی قیامت کی اہمیّت پر پہلے تاریخی اور پھر الٰہیاتی اعتبار سے غور کریں۔

## اوّل۔ مسیح کی قیامت کی اہمیّت بلحاظ ایک تاریخی واقعہ:۔

مذکورہ بالا اقتباس جو ا کرنتھیوں کے پندرھویں باب سے ماخوذ ہے مسیح کی قیامت کی واقعیت پر شہادت دیتا ہے۔ مسیحی خیال اور زندگی سے جو اِس واقعہ کو قریبی رشتہ حاصل ہے اُس کا بیان ہم بعد میں کریں گے۔ درحقیقت یہ قریبی رشتہ اِس واقعہ کے تاریخی ہونے کا ایک بڑا ثبوت ہے مسیح کی قیامت ایک عظیم الشّان معجزہ ہے لیکن جو اگانہ حیثیّت نہیں رکھتا اس کی صداقت کی شہادت معجزہ کے اُس تمام پسِ منظر سے جہاں یہ گوہر تابدار کی طرح مزیّن ہے ملتی ہے۔ اس پسِ منظر میں مختلف رنگ دار حجم کے موتی ہیں۔ جو بے شک کم تاب دار لیکن بے ریا ہیں۔ یہ سب موتی مسیح کی قیامت کے بڑے موتی سے مِل کر خُدا کی محبت اور قوت کا ایک ایسا مکاشفہ پیش کرتے ہیں جس سے گناہ اور موت کی تاریکی میں گُم شُدہ دُنیا کو نجات حاصل ہوتی ہے۔

مسیحیت معجزہ کا مذہب ہے۔ اس میں خُدا کے مکاشفہ کا ظہور فوق الفطری ہے لیکن اس سے خُدا کا ظہور جو انسان اور دیگر مخلوقات میں پایا جاتا ہے انکار نہیں بلکہ اعتراف مراد ہے "آسمان خُدا کا جلال ظاہر کرتا ہے۔ اور فضا اُس کی دستکاری دکھاتی ہے۔ (زبُور ۱۹/۱) "...... ساری زمین اُس کے

جلال سے معمور ہے۔" (یرمیاہ ۳/۱) اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے خُدا کی شبیہ اور صورت پر بنایا گیا۔ وہ خُدا کے علم کا اہل ہے۔ اور اپنی معصومیّت کے زمانہ میں خُدا سے پُوری رفاقت رکھتا تھا۔ لیکن مسیحی مکاشفہ بالخصوص خُدا کی ذات وہ فوق الفطری ظہور ہے جو اُس نے انسان کی نجات کے لئے بخشا جبکہ وہ خُدا سے جُدا، گناہ اور موت کے قبضہ میں تھا۔ خُدا کے بیٹا کا گنہگاروں کے کفّارہ کے لئے اپنی زندگی کو صلیب پر دینا نجات کے ڈرامہ کا مرکزی ایکٹ ہے خُدا کے بیٹے نے جو کنواری سے پیدا ہُوا مر کر گناہ اور موت پر قبضہ حاصل کیا اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اسی لئے ہمیں ہمیشہ کی زندگی کا انعام حاصل ہُوا ہے۔ لہٰذا مسیحی مکاشفہ تاریخ میں فوق الفطری واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ خُدا کی ذات و صفات کا ظہور اُس کے الٰہی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

جن معجزات کا ذکر بائبل مقدّس میں کیا گیا ہے وہ اُن عجوبات سے جو بنی نوع انسان کی دیگر کُتب میں مندرج ہیں نہایت ہی بلند پایہ ہیں۔ نقص و فساد سے آزاد اور اعلیٰ درجہ کے رُوحانی اور اخلاقی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور گناہگار انسان کے لئے خُدا کی محبت، پاکیزگی اور فضلِ شافی کے حامل ہیں۔ مسیح کی قیامت سب معجزوں میں سے اعلےٰ ترین لیکن آخری نہیں ہے۔ اگر اس کا یقین ہو سکتا ہے تو سب کچھ قابل یقین ہے۔ مسیحی مکاشفہ کی یہ ایک خاص خصوصیّت ہے۔ کیونکہ انسان کی سب سے بڑی ضرورت یعنی گناہ اور موت کی قوّت سے رہائی کی رُوح کے لئے یہ الٰہی قوت کا بہترین ظہور ہے۔ یہی اسے قابل یقین بناتا ہے۔ ورنہ عام حالات کے زیر مُردوں کی قیامت قرینِ قیاس ہے۔ اِس معجزہ کے بعد مسیح کی آمدِ ثانی ہے



یہ قیامت سے عظیم تر معجزہ ہے کیونکہ خُداوند مسیح جلالی صورت میں واپس آکر اپنے سب دشمنوں پر بالخصوص اُس آخری دشمن یعنی موت پر فتحیاب ہونگے اور اپنے لوگوں کو موت کی قید سے رہائی فرمائینگے۔ اس لئے مسیح کی قیامت اُس الٰہی مکاشفہ کے عین مطابق ہے جو انسان کی نجات کا مدعی ہے۔ اس معجزہ کے انکار سے مسیحی حقیقت کا تمام شیرازہ بکھر جاتا ہے معجزہ مسیحیت کا لازمی حصّہ ہے۔ اس کے بغیر مسیحیت کی زندہ اور نجات دینے والی قوّت باقی نہیں رہتی۔ مسیحی اخلاق اور سیرت کے خوشنما پھول عارضاً قائم تو رہینگے، لیکن جڑ سے جُدا ہو کر وہ جلدی ہی فنا ہو جائینگے۔ یہ موقعہ نہیں کہ ہم مسیح کے جی اُٹھنے کے بہت سے ناقابل ردّ ثبوت پیش کریں۔ اُس نے دُکھ سہنے کے بعد بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو رسولوں پر زندہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ چالیس دن تک اُنہیں دکھائی دیتا اور خُدا کی بادشاہی کی باتیں کہتا رہا (اعمال ۱: ۳) رسولوں کی گواہی کا بیان ایسے معتبر گواہوں اور محققوں نے اُس وقت کی کتابوں میں لکھا ہے جن کی معقولیت اعلےٰ درجہ کی اندرونی اور بیرونی شہادت اور اُن کے بدیہی توازنِ عقلی اور مستقل مزاجی سے ثابت ہے۔ عہدِ جدید کے مصنّف ماسوا چند ایک کے سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ مسیح کی قیامت کے شاہد ہیں۔ یہ ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے دھوکہ بازی۔ دروغ گوئی۔ فساد۔ وہم۔ عدم حقیقت اور ناخدائی سے بھری ہُوئی دُنیا کے سامنے حق اور راستی کے بلند ترین معیار رکھے ہیں۔ نہ وہ خود دھوکے میں آئے اور نہ کسی کو دھوکہ دیا۔ اُنہوں نے اپنے پُرانے عہدنامہ کے آباء کے ساتھ مل کر دُنیا کو خُدا اور اُس کے قوانین کے بارہ میں سب حکماء اور متلاشیانِ حق سے زیادہ تعلیم دی ہے۔ یہ قرینِ قیاس نہیں کہ وہ اپنی

گواہی میں بنیادی طور پر غلطیوں یا ایسے بڑے جھوٹ سے دھوکہ کھا کر وہ پھر بھی حق اور پاکیزگی کو اپنی زندگیوں میں ظاہر کر سکیں۔ مسیح کی فطری سیرت جس کا وہ تذکرہ کرتے ہیں۔ اور گناہگار انسانیت کی ہولناک حالت جس سے اُس نے رہائی بخشی باہم اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ فی الحقیقت مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔

جو اہلِ ایمان نہیں وہ بے شک مسیح کی قیامت اور اُس کی نجات کا انکار کرتے رہیں۔ کلیسیائی دائرہ میں جو اُس کے شاکی ہیں وہ دوسری حقیقتوں کو مانتے رہیں۔ دراصل واقعات کا فوق الفطرت ہونا اُن کی بے ایمانی کا باعث ہے۔ اِس کے بغیر بھی یہ کتابیں قدیم کتبِ حقیقی تاریخ سے زیادہ معتبر مواخذ مانی جائینگی۔ لیکن جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں فوق الفطرتی عنصر مسیحیت کے لئے لازمی اور واجب ہے۔ مسیحی حقیقت کا انکار یا اعتراف کلیتاً کرنا ضروری ہے۔ اس کی معقولیت نہایت ہی قابلِ یقین ہے۔ یقین سے ماننے والے انسان اسے قبول کر کے زیادہ بہتر اور عقلمند بن گئے۔ یہ انسانی عقل کے سامنے اپنی سچائی کے ثبوت خود مہیا کرتی ہے اُس کے اخلاق کو پسند ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ یہ اُس کی نجات کی گہری ضرورت کو پورا کرتی ہے ایماندار مسیحی ایسے بڑے مُنجی سے شخصی رفاقت حاصل کر کے بہت ہی خوش ہیں اور اُس حقیقی علم کے لئے کہ مسیح اُن کے گناہوں کے لئے مر کر تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا خُدا کے شکر گذار ہیں۔ یہ محض علم نہیں بلکہ یقین واثق ہے۔

پس پولُوس رسُول تصدیق کر سکتا ہے کہ مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا تاریخی واقعہ اُس کی صلیب کی طرح مسیحی خوشخبری کا جزوِ اصل ہے۔ وہ تعلیم دیتا ہے کہ یہ خوشخبری ہر ایک ایمان لانے والے کے واسطے خُدا کی قدرت



ہے (رومی ۱/۱۶) اور کہتا ہے "میں نے سب سے پہلے تم کو وہی بات پہنچا دی جو مجھے پہنچی تھی کہ مسیح کتابِ مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مُوا اور دفن ہُوا اور تیسرے دن کتابِ مقدس کے مطابق جی اُٹھا (۱ کرنتھی ۱۵/۳) ظاہر ہے کہ پولُوس کے نزدیک مسیحی خوشخبری الٰہی امور پر مشتمل ہے۔

**دوم:- مسیحی الٰہیات کے لئے قیامت مسیح کی اہمیت:-**

مسیح کے مُردہ جسم کا جی اُٹھنا نجات کے انتظام کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔

**امرِ اوّل:-** یہ مسیح کی الوہیت کا انتہائی ثبوت ہے۔ صرف ایک الٰہی نجات دہندہ ہی گرے ہُوئے انسانوں کو بحال کر سکتا ہے۔ اور مسیح "... مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ٹھہرا" (رومی ۱/۴) اگر اُس کی قبر آج تک اُس کے سڑے ہُوئے جسم کو اپنے باطن میں لئے ہُوئے ہوتی تو اُس کے سب دعوے جھُوٹے نکلتے۔ اُس نے خُدا کے برابر ہونے کا دعوٰے کیا اور اپنے صلیب دیئے جانے اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی پیشنگوئی کی۔ اگر وہ مُردوں میں سے نہ جی اُٹھتا اور دُشمنوں پر فتحیاب نہ ہوتا تو اُس کی لاچاری ظاہر ہو جاتی۔ دریں حال وہ ایک نیک نیت لیکن فریب خوردہ، بے وقوف اور نالائق مُصلح ثابت ہوتا۔ اور گناہ کے بوجھ سے لادی ہُوئی بیزار دُنیا کو اُس کی دعوتِ آرام بے معنی ٹھہرتی (متی ۱۱/۲۸) اب اُس کے اپنے دعوے ملاحظہ ہوں "دُنیا کا نور مَیں ہُوں۔ جو میری پیروی کریگا وہ اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا (یوحنا ۸/۱۲)... "زندگی کی روٹی مَیں ہُوں جو میرے پاس آئیگا وہ بھُوکا نہ ہوگا اور جو مجھ پر ایمان لائیگا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا (یوحنا ۶/۳۵) اور پھر "قیامت اور زندگی

تو مَیں ہُوں جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وُہ مرجائے تو بھی زندہ رہیگا اور جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ ابد تک کبھی نہ مریگا"۔

بعض لوگ شاید ان دعوؤں کو سُن کر یقین نہ کریں لیکن یہ امر واقعی ہے۔ کہ وُہ مرکر جی اُٹھا۔ تاکہ موت اور شیطان پر غلبہ حاصل کرے۔

**امر دوم:۔** مسیح کی قیامت اُس کے کفارہ کے کمال اور وسعت کی تصدیق کرتی ہے۔ جب اُس نے کہا "کہ تمام ہُوا" تو یہ بے معنی الفاظ نہیں تھے۔ اِن سے مراد اُس کی شکست نہیں اِس کے عین برعکس یہ الفاظ عجیب و غریب نتائج کے پیش خیمہ تھے۔ گیہوں کا دانہ جو زمین پر گر کر مرگیا، نئی زندگی پاکر اُگا اور بہت پھلدار ہُوا۔ مسیح کی فرمانبردار خدمتگزاری، تصلیب اور ایثار نے گنہگاروں کے خلاف شریعت کے تمام مطالبے پورے کر دیئے۔ اُس نے انسان کی شکل اختیار کی اور ہمیں شریعت کی لعنت سے چھُڑانے کے لئے وہ خود لعنتی بنا۔ صلیب پر چڑھ کر اور قبر میں کچھ وقت تک موت کے قبضے میں رہ کر اُس نے اپنے آپ کو کامل طور پر پست کر دیا۔ لیکن اُس کی سرفرازی مُردوں میں سے تیسرے دن جی اُٹھنے سے شروع ہوتی ہے۔ باپ نے بیٹے کو مُردوں میں سے جلا کر اُس کے تمام شدہ کام پر قبولیت کا تاج رکھا۔ مسیح کے اختیاری ایثار کی منظوری اُس کے جلالی بدن، صعود، اور قادرِ مطلق کے دائیں طرف بیٹھنے سے ثابت ہے۔ اگر مسیح مُردوں میں سے نہ جِلایا ہوتا تو ہمارا ایمان بے فائدہ ہوتا اور ہم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتار ہوتے



لیکن ہم جانتے ہیں کہ خدا نے اُسے مُردوں میں سے جِلایا۔ وہ ہماری خطاؤں کی خاطر صلیب دیا گیا اور ہماری تصدیق کے لئے مُردوں میں سے جِلایا گیا۔

**امر سوم:۔** مسیح کی قیامت اُس الٰہی قوت کا ظہور ہے جو خطاکار اور گناہگار انسان کو الٰہی زندگی بخشنے کے لئے درکار ہے۔ پولُوس رسول فرماتا ہے کہ جب ہم اپنی نجات کے واسطے مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ تو ہم اُس کی موت اور قیامت دونوں میں شریک ہوتے ہیں۔ "مَیں مسیح کے ساتھ مصلوب ہُوا ہُوں اور اب مَیں زندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے" یہ محض ایک استعارہ نہیں ہے۔ ایمان کے ذریعہ سے مسیح کے ساتھ ہماری وحدت ایک روحانی رفاقت ہے۔ اور اس کے واسطہ سے ہم حقیقی معنوں میں اُس کے مرنے، جی اُٹھنے، اور آسمان پر اُٹھائے جانے میں شریک ہیں۔ لہٰذا پولُوس رسول اعلان کرتا ہے کہ "... خدا نے اپنے رحم کی دولت سے اُس بڑی محبت کے سبب سے جو اُس نے ہم سے کی۔ جب قصوروں کے سبب سے ہم مُردہ ہی تھے۔ تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کر لیا۔ ..... اور مسیح یسُوع میں شامل کر کے اُس کے ساتھ جِلایا۔ اور آسمانی مقاموں پر اُس کے ساتھ بٹھایا" (افسی ۲ : ۴-۹) جس قوت سے اُس نے ہماری روحانی قیامت انجام دی وہ وہی ہے جس کی تاثیر سے اُس نے مسیح کو مُردوں میں سے جلا کر آسمانی مقاموں پر بٹھایا۔ یہ بڑی قوت ہمیں اب بھی دستیاب ہو سکتی ہے۔ مسیحی زندگی ایک ایسی نئی اور باقوت زندگی ہے جسے گناہ پر فتح حاصل ہے۔ اور خُدا کی خدمت کے لئے بہت مؤثر ہے۔ مسیح ایک زندہ منجی ہے۔ اور ایمان داروں کو زندگی بخشتا ہے۔ اُونچے پر اُٹھائے جانے سے اُسے رُوح القُدس کا وعدہ ملا۔ اور اُس نے زندگی بخش قوت کلیسیا کو عنایت فرمائی۔ وہ ایمان داروں کی جماعت میں مسکن پذیر ہے۔

اور اپنی خدمت کے لئے اُس کی تقدیس کرتا ہے۔

**امر چہارم:۔** مسیح کی قیامت اُس کے بندوں کی آخری قیامت کا وعدہ اور ثبوت ہے۔ اُس کی قیامت کی قوت وہی ہے جس کا ظہور اُس وقت ہوگا جب خدا اُنہیں مُردوں میں سے جلائیگا۔ خداوند کا قول برحق ہے کہ "... قیامت اور زندگی تو میں ہوں" ۔ انسانی رُوح کا بچانا نجاتِ کامل کا مترادف ہے۔ انسان کے کُل وجُود کو گناہ کے تمام اثرات سے محفوظ ہونا لازمی ہے انسان ایک مرکب وجود ہے۔ اور اُس کے جسم کو اُس کی رُوح کا ایک قریبی اور مستقل رشتہ حاصل ہے۔ اسی رشتہ کی وجہ سے جسم گناہ سے متأثر ہوا۔ وہ غلطی پر ہیں جو تصور کرتے ہیں۔ کہ مسیحی عقیدے کا دارومدار مسیح کی روحانی موجودگی اور بقاءِ رُوح انسانی پر ہے۔ مسیحی نجات انسان کے لئے ہے ۔ لیکن اُس ساری دُنیا کے لئے جہاں وہ رہائی پذیر ہے تمام چیزوں کی "بحالی" ہوگی، ایک "نئی تولید" اور "تجدید" ہوگی جس کے ذریعے پُرانی چیزیں جاتی رہینگی اور تمام چیزیں نئی ہو جائینگی۔ ایک نئی زمین اور ایک نیا بہشت وقوع میں آئینگے۔ جہاں راستبازی حکومت کریگی۔ (۲ پطرس ۳/۱۳) جب ہماری جسم کی رہائی ہوگی تو تمام مخلوق گناہ کی غلامی سے رہا ہو کر خدا کے فرزندوں کی آزادی میں شریک ہوگی۔ یہ تب ہوگا جب خداوند خود مقرب فرشتوں کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ آسمان سے اُتریگا۔ اور جو مسیح میں ہیں، وہ غیر فانی لباس سے ملبس ہو کر اُٹھینگے۔

قیامت کا پہلا پھل مسیح ہے۔ پھر مسیح کے آنے پر موت جو اُس کا آخری دُشمن ہے مغلوب کیا جائے گا ۔ ہمیں اس امر کا یقین ہے۔ کہ خداوند کی آمدِ ثانی پر ہماری پُوری شخصیت یعنی رُوح، نفس، اور جسم کی



پُوری حفاظت ہوگی مسیح کے نزدیک انسان کی پوری شخصیت قابل قدر ہے۔ اُس نے ہمارا فانی جسم اختیار کیا۔ جب ہم ایمان کے ذریعے اُس سے ایک ہوتے ہیں تو یہ پیوستگی رُوحی اور جسمی دونوں ہے۔ اُس کا رُوح ہمارے فانی جسموں میں بس کر ہمیں زندگی بخشتا ہے نہ موت اور نہ کوئی اور چیز ہمیں خدا کی محبت سے جو ہمیں خداوند مسیح میں حاصل ہے جُدا کر سکتی ہے (رومی ۸/۳۹) ہم ایسے مُنجی کے لئے چشم براہ ہیں جو "... اپنی اُس قوت کی تاثیر کے موافق جس سے سب چیزیں اپنے تابع کر سکتا ہے ہماری پست حالی سے بدن کی شکل بدل کر اپنے جلال کے بدن کی صورت پہنائیگا (فلپی ۳/۲۱)

مسیحی کے لئے اب موت کی دہشت جاتی رہی۔ موت ایک بڑا دشمن ہے جو آخر میں فنا ہوگا۔ لیکن فی الحال اُس کا ڈنک جاتا رہا ہے۔ ہم بے اُمیدوں کی طرح غم نہیں کرتے ۔ قیامت کے جلالی دن کے منتظر ہوتے ہُوئے بھی ہم یہ جانتے ہیں کہ وفات یافتہ لوگ مسیح کی قُربت میں جاگزیں ہیں۔ اگر جینا "مسیح ہے تو موت میں نفع ہے"۔ ویسٹ منسٹر مختصر سوال و جواب "سینتیسویں سوال کے جواب میں کہتا ہے۔ کہ "ایمانداروں کی رُوحیں موت کے وقت پاکیزگی میں کامل ہو کر فوراً جلالی ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے جسم جو ابھی مسیح سے ۔ لیکن قیامت کے دن تک اپنی قبروں میں آرام کرتے ہیں۔" جب خُدا کا خیمہ انسانوں کے درمیان ہوگا تو مقدسین کی رفاقت جو اُنہیں ایک دوسرے سے اور اپنے خداوند اور سردار سے حاصل ہے کامل کر دی جائے گی۔ وہ اُس کے لوگ ہونگے۔ اور وہ اُن کے ساتھ سکونت کرے گا اور اُن کا خدا ہوگا۔ وہ اُن کی آنکھوں کے سب آنسو پونچھ دیگا۔ اس کے بعد نہ موت رہے گی اور نہ ماتم رہیگا اور نہ آہ و نالہ نہ درد۔ (مکاشفہ ۲۱/۳،۴) ان سب امُور کی تسلی ہمیں

قیامتِ مسیح سے ملتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ مسیح کی قیامت نجات کے انتظام اور انجیل شریف کے پیغام کا جزوِ لاینفک ہے۔ یہ خوشخبری کا پیغام ہے۔ یسُوع نے صلیب پر شکست نہیں کھائی۔ اُس نے حکومتوں اور اختیاروں پر جو شیطان کی افواج ہیں فتح پائی اور گناہ اور موت پر غالب آکر مُردوں میں سے تیسرے دن جی اُٹھا۔ اس لئے خُدا نے اُسے "ہر طرح کی حکومت اور اختیار اور قدرت اور ریاست اور ہر ایک نام سے بہت بلند کیا۔ جو نہ صرف اِس جہان میں بلکہ آنے والے جہان میں بھی لیا جائیگا۔ اور سب کچھ اُس کے پاؤں تلے کر دیا۔ اور اُس کو سب چیزوں کا سردار بنا کر کلیسیا کو دے دیا" (افسی ۱/۲۱،۲۲) وہ فاتح اور بادشاہ ہے۔ اُس نے اپنے رُوحِ پاک کا عطیہ ہمیں عنایت فرمایا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہمیں آخر الزمان فتحیاب کرے گا +

---

# خُداوند مسیح کا صعُود فرمانا

"پھر وہ اُنہیں بیت عنیّاہ کے سامنے تک باہر لے گیا۔ اور اپنے ہاتھ اُٹھا کر اُنہیں برکت دی۔ جب وہ اُنہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہُوا کہ اُن سے جُدا ہو گیا اور آسمان پر اُٹھایا گیا۔ اور وہ اُسے سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یرُوشلم کو لوٹ گئے۔ اور ہر وقت ہیکل میں حاضر ہو کر خُدا کی حمد کیا کرتے تھے" (لوقا ۲۴/۵۳-۵۵)



اپنی زمینی خدمت کے اختتام پر ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے آسمان پر صعُود فرمانے کا ذکر مرقس[1] اور لوقا[2] کی انجیلوں میں کیا گیا ہے۔ اور یوحنا[3] کی انجیل میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا مفصل بیان لوقا نے رسولوں کے اعمال[4] میں درج کیا ہے۔ صعُود کے متعلق عہد جدید میں کئی ایک اور بھی اشارے ہیں۔ پولُوس تیمتھیُس کو لکھتا ہُوا کہتا ہے کہ یسُوع "جلال میں اوپر اُٹھا لیا گیا[5]" اور پطرس کہتا ہے کہ "وہ آسمان پر جا کر خُدا کی دہنی طرف بیٹھا ہے[6]" صعُود کی حقیقت عبرانیوں کے خط کے پس پشت موجود ہے۔ اور جہاں کہیں خُداوند کی سر بلندی یا کہانت کا ذکر ہُوا ہے وہاں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ مکرر رسولوں کا عقیدہ اور ناسیہ کا عقیدہ دونوں اِس امر کے شاہد ہیں کہ مسیح یسُوع "آسمان پر اُٹھایا گیا اور خُدا باپ قادرِ مطلق کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے"

پس خُداوند کا صعُود پہلی صدی کے مسیحیوں کے نزدیک اُس کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ یہ اُس کی خدمت کا اختتام ہے جیسا کہ عیدِ ولادت اُس کی آمد کا آغاز ہے۔ قیامت اور صعود کے درمیان کے چالیس دنوں میں آنخداوند نے اپنے گیارہ شاگردوں کو دنیا سے اپنی قطعی واپسی کے لئے تیار کیا۔ وہ اب بھی اُن کے ساتھ رہیگا لیکن اُس کی موجودگی زمانی اور مکانی قیود سے معرّا ہوگی۔ ایسٹر کے دن جُوں ہی خُداوند مُردوں میں سے جی اُٹھا تو اُس کا بدن جلالی تھا۔ اُس کا قیامت یافتہ جسم ہمارے جسموں کی بندشوں سے آزاد تھا۔ وہ "آناً فاناً" حاضر اور غائب ہو سکتا تھا[7]۔ اُن چالیس دنوں میں اُس نے اپنے شاگردوں کو یہ سکھایا کہ وہ ہمیشہ اُن کے ساتھ ہے چاہے[8] وہ اُسے

---

[1] انجیل مرقس ۱۶/۱۹ ، [2] انجیل لوقا ۲۴/۵۰-۵۳ ، [3] انجیل یوحنا ۶/۶۰-۶۲ ، [4] اعمال ۱/۶-۱۲ ، [5] ۱-تیمتھیُس ۳/۱۶ ، [6] ۱-پطرس ۳/۲۲ ، [7] لوقا ۲۴/۳۱-۳۶ ، [8] یوحنا ۲۰/۱۹-۲۶ ،

دیکھ سکیں یا نہ۔

"دیکھو میں دُنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں[8]۔" آسمان پر اُٹھائے جانے سے وہ ہمیشہ کے لئے انسان کی چشمِ ظاہری سے روپوش ہو گیا۔ اُس نے شاگردوں کو اپنے آخری حکم دے دیئے تھے[9]۔ اُس نے رُوح القدس کے نزول کا وعدہ کیا تھا اور اُن کے سپرد یہ کام بھی کیا تھا کہ وہ دُنیا کی انتہا تک اُس کے گواہ ہوں[10]۔ پھر وہ اُنہیں بیت عنیاہ کے نزدیک کی پہاڑی کی طرف لے گیا۔ اور وہاں ہاتھ بلند کر کے اپنے پیارے شاگردوں کو برکت دی۔ اور جب وہ ایسا کر رہا تھا تو اُن سے جُدا ہو گیا اور آسمان پر اُٹھایا گیا[11]۔"

پس ہمارے خُداوند کی زمینی زندگی کا خاتمہ صعود ہے۔ جیسا کہ اُس کا آغاز بیت لحم کے شہر میں اُس کی پیدائش سے ہوا۔ چونکہ وہ ازل ہے۔ اِس لئے دُنیا کی تمام چیزوں سے جو اس میں موجود ہیں۔ اِن سے پہلے موجود تھا۔ پھر وہ مجسّم ہوا اور ہم انسانوں کی نجات کے لئے اُس نے انسانی شکل اختیار کی[12]۔ لیکن یہ زندگی اُس وقت ختم ہوتی ہے جب مسیح تمام دُنیا کو رہائی دے کر آسمان پر اُٹھا لیا جاتا ہے۔ جہاں وہ کبریا[13] کی دہنی طرف بیٹھ کر ہماری سفارش کرتا ہے[14]۔

جب ہمارا خُداوند اپنے شاگردوں کے ساتھ بالاخانہ میں آخری کھانا کھا رہا تھا تو اُس نے اپنی پیدائش اور صعود کا خلاصہ یوں پیش کیا۔ "میں باپ میں سے نکلا اور دُنیا میں آیا ہوں۔ پھر دُنیا سے رخصت ہو کر باپ کے

۸ متی ۲۸/۲۰، ۹ متی ۲۸/۱۸-۲۰، ۱۰ اعمال ۱/۸، ۱۱ لوقا ۲۴/۵۰-۵۱، ۱۲ یوحنا ۱/۱۴، ۱۳ عبرانی ۱/۳، ۱۴ عبرانی ۷/۲۵،



پاس جاتا ہوں[15]۔" یہ آیت نہ صرف اُس کی پیدائش اور صعود بلکہ اُس کی ساری زندگی کا خلاصہ ہے۔

کرسمس اور صعود کے دنوں میں قریبی رشتہ ہے۔ ان کا اشتراک اور افتراق بدیہی ہے۔ ہمارے خُداوند کی زمینی زندگی بیت لحم کے اصطبل کی پست حالی میں شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ سرائے میں اُس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی[16]۔ لیکن جب زندہ مسیح جلالی صورت اختیار کر کے آسمان پر چڑھ جاتا ہے تو یہ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

ہمارے خُداوند کی انسانی زندگی چند ایک چیدہ لوگوں کی صحبت میں شروع اور ختم ہوتی ہے۔ لوگوں کا ہجوم نہ تو اُس کی زندگی کے شروع میں ہے اور نہ آخر میں۔ شروع میں مقدسہ مریم، مقدس یوسف اور چند چرواہے ہیں[17]۔ اور آخر میں صرف اُس کے گیارہ شاگرد ہیں۔ خُدا اپنی دُنیا میں بے شان و شوکت آتا اور چلا جاتا ہے۔ عوام کو خبر بھی نہ تھی کہ خُدا آیا اور واپس بھی چلا گیا۔ اسی طرح ہمارا خُداوند شوروغل کے بغیر آیا اور دُنیا نے اُسے نہ پہچانا۔ لیکن جو پوشیدگی میں اُس کا انتظار کرتے ہیں اور اُس کے بدن اور خون میں شریک ہونے کے لئے چشم براہ ہیں اُن کے پاس وہ ضرور آتا ہے۔ ایسے لوگوں کو وہ اب بھی ہاتھ اُٹھا کر دُعا دیتا ہے۔ اُنہیں جو شاگردوں اور فرشتوں کی مانند سمجھدار ہیں ولادت اور صعود کے موقعوں پر بڑی خوشی نصیب ہوتی ہے۔ جب خُداوند آسمانی مقاموں کو چھوڑ کر ہمارے درمیان مسکن گزیں ہوا، تو فرشتگان نے یہ حمد گائی "عالمِ بالا پر خُدا کی تمجید ہو اور زمین پر اُن آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح[18]۔" جب ہمارا خُداوند آسمان پر چڑھ گیا۔ تو

۱۵ یوحنا ۱۶/۲۸، ۱۶ لوقا ۲/۷، ۱۷ لوقا ۲/۱-۲۰، ۱۸ لوقا ۲/۱۴،

اُس کے شاگرد "اُس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔ اور ہر وقت ہیکل میں حاضر ہو کر خُدا کی حمد کیا کرتے تھے"[19]۔ فرشتے جانتے تھے اور شاگرد بھی اور ہم بھی جانتے ہیں کہ چاہے یسُوع مسیح آسمان پر ہو یا زمین پر وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے۔ اُس کا یہ فرمان ہے۔ "دیکھو مَیں دُنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں"[20]۔ "جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں مَیں اُن کے بیچ میں ہوں"[21]۔ خُداوند کی زندگی کا آغاز اور اختتام کلیسیا سے وابستہ تھا۔ جب وہ آٹھ سال کا چھوٹا بچّہ تھا تو اُس کی ماں اور مقدس یُوسف اُسے یروشلم کی ہیکل میں لائے۔ اور وہاں یعنی یہودی کلیسیا میں سردار کاہن، شمعون اور ایمان دار حنّاہ نے اُس کا استقبال کیا۔ جو لوگ اسرائیل کی تسلّی کے منتظر تھے وہ کلیسیا ہی کے گرد اکٹھے ہوتے تھے[22]۔ اسی ایمان پر خُداوند اپنی کلیسیا کی بنیاد رکھ سکتا تھا۔ (Jesus) خُداوند کے صعود فرما جانے کے بعد شاگرد ہیکل میں ہر وقت خُدا کی حمد کرتے رہتے تھے۔ وہ یسُوع مسیح کی پرستش کرتے تھے۔ جو کل، آج بلکہ ابد تک یکساں ہے[23]۔

آسمان پر اُٹھایا جانا خُداوند کی زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا حصّہ تنتیس سال پر مشتمل ہے۔ یہ ولادت اور صعود کے درمیان کا عرصہ ہے۔ دوسرا حصّہ صعود سے آمدِ ثانی تک ہے جس میں سے اُنیس صدیاں اب تک گزر چکی ہیں۔ جیسے پہلا حصّہ زمینی زندگی تھا یہ حصّہ اُس کی آسمانی زندگی ہے۔ پہلا دَور انسانی تاریخ کا۔ اور دُوسرا دَور رُوحانی تجربے کا دونوں مسیح سے وابستہ ہیں۔ پہلے دَور کا بیان چار انجیلوں میں ہُوا ہے۔ اور دوسرے دَور کے نسخے

۱۹ لوقا ۲۴/۵۲، ۵۳، ۲۰ متی ۲۸/۲۰، ۲۱ متی ۱۸/۲۰، ۲۲ لوقا ۲/۲۲-۳۹،
۲۳ عبرانی ۱۳/۸،



رسولوں کے اعمال، خطوط، یوحنّا عارف کا مکاشفہ، اور تاریخ کلیسیا ہیں۔ لوقا نے صعود کے بیان سے اپنی انجیل[24] ختم کرنا اور رسولوں کے اعمال[25] کو اُس سے شروع کرنے میں اِس نقطہ کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

پہلی صدی عیسوی کے مسیحیوں کی طرح ہمیں خُداوند کی پُوری زندگی (یعنی زمینی اور جلالی) پر غور کرنا چاہئے۔ پولُوس رسُول ہمارے ایمان کی تاریخی بنیاد یعنی کلام مجسّم، مسیحِ مصلوب و مصعود پر بھی زور دیتا ہے۔ اور زندہ اور جلالی مسیح کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جو آسمان پر ہے اور انسان کی نجات کے انتظام کا کار فرما ہے۔ تاریخی مسیح روحانی تجربہ کے مسیح میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور اس امر کا خطِ تقسیم صعود ہے۔ جب ہم مسیح مصعود پر نظر ڈالتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں؟ ہم مسیح بادشاہ کو جلال اور عزّت کا تاج پہنے ہُوئے دیکھتے ہیں[26]۔ وہ خُداوندوں کا خُداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ[27] اور سردار کاہنوں کا سردار کاہن ہے۔ عبرانیوں کے خط میں مسیح مصعود کی سردار کاہنی کا مسئلہ پوری طرح سے پیش کیا گیا ہے۔ جو کچھ ہمارے خُداوند نے ہماری نجات کے لئے اس دُنیا میں کیا اُس سے اب ہم اُس کی آسمانی کہانت کے وسیلہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ کلیسیا میں فضل کی زندگی کا دَور دَورہ اُسی کے طفیل ہے۔ اُسی سے کلیسیائی رُسوم با معنی ٹھہرتی ہیں۔ غیر اقوام کو مسیح کے نزدیک لانے کا کام اور مسیحی ایمان دار محبّت کی فتحیابیاں صعود کے بعد وقوع میں آئیں اور اس لئے ممکن ہُوئیں کہ ہمارا بڑا سردار کاہن مقدسِ اقدس میں حاضر ہو کر خُدا باپ کے سامنے ہمیشہ ہماری سفارش کرتا ہے[28]۔

۲۴ لوقا ۲۴/۵۰-۵۳، ۲۵ اعمال ۱/۶-۱۲، ۲۶ عبرانی ۲/۹، مکاشفہ ۱۷/۱۴، ۱۹/۱۶،
۲۸ عبرانی ۹/۲۴، ۱۰/۱۹-۲۵،

مسیح مصعود کلیسیا کے لئے پیغام بر ہے۔ پہلے وہ اُسے اپنی زبان سے سکھاتا تھا لیکن رُوح القدس کے ذریعہ سے تعلیم دیتا ہے۔ آنخداوند ہر انسان، حکمت و اختیار اور کلیسیائے جامع کا سردار ہے۔ وہ خُدا اور ہمارا درمیانی ہے۔ انسان ہونے کی وجہ سے وہ تختِ کبریا کے سامنے انسانوں کی نمائندگی کر سکتا ہے۔

"یہ ہمارے مُنجّی خُدا کے نزدیک عُمدہ اور پسندیدہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں۔ کیونکہ خُدا ایک ہے اور خُدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی مسیح یسُوع جو انسان ہے۔ جس نے اپنے آپ کو سب کے فدیہ میں دیا..... [29]" لیکن وہ درمیانی سے بڑھ کر ہے۔ وہ ہماری سفارش کرتا ہے اور خُدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ وہ ہمارا مددگار ہے "...... اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے یعنی یسُوع مسیح راستباز۔" [30] مسیح مصعود ہمارے درمیان حاضر ہے لیکن آنے والا بھی ہے۔ آج وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ لیکن مستقبل میں جب وہ جلال کے ساتھ آئیگا تو ایک نئے مکاشفہ سے وہ اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کریگا۔ یہ اُس کی آمدِ ثانی ہوگی۔ عہدِ جدید کی سب کتب اس بات کی شاہد ہیں کہ جیسے مسیح اُوپر چڑھا ویسے اُترے گا بھی۔ مسیحی کلیسیا کے عقیدے بھی باآوازِ بلند یہی کہتے ہیں کہ "وہ آسمان پر چڑھ گیا اور خُدا باپ قادرِ مطلق کے دہنی طرف بیٹھا ہے جہاں سے وہ زندوں اور مُردوں کا حساب لینے کے لئے آئیگا۔" وہ بہ حیثیت مُنصف کے واپس آئیگا۔ "ہم یقین رکھتے ہیں کہ تُو ہمارا حساب لینے کو آئیگا۔ ہم تجھ سے عرضگذار ہیں کہ تو

[29] ۱ تیمتھیس ۲/ ۶-۲، [30] ۱ یوحنا ۲/ ۱،



اپنے خادموں کی مدد کر جنہیں تُو نے اپنے بیش قیمت خون سے خریدا ہے اُنہیں اپنے مقدّسوں کے ساتھ ابدی جلال میں شامل کرے۔ اے خُداوند اپنے لوگوں کو بچا۔" [31]

عہدِ جدید سے صاف ظاہر ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے مسیحیوں کے خیلات میں مسیح مصعود مرکزی جگہ رکھتا تھا۔ اُس کی شخصیت پر سوچ بچار کرنے سے وہ دل و دماغ میں زمین سے آسمان تک اُٹھائے گئے۔ اُس بزرگ آسمانی سردار کاہن سے کلیسیا کو یہ حکم پہنچا ہے۔ "اپنے دلوں کو میری جانب راجع کرو" اور عابد کلیسیا سے یہ جواب ملتا ہے۔ "اے خُداوند ہم اپنے دلوں کو تیری طرف راجع کرتے ہیں"۔ مسیح مصعود سے ہی ہماری آسمانی اشیاء تک رسائی ہے۔ اور صعود کی قدیمی دُعا اس جذبہ کی ترجمانی یُوں کرتی ہے۔ "جیسے ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ تیرا اکلوتا بیٹا ہمارا خُداوند یسُوع مسیح آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔ ویسے ہی چاہتے ہیں کہ تُو ہمارے دل و دماغ کو بلند کر تا کہ ہم اُس کے ساتھ مسکن گزیں ہوں"۔ یہی خاص کر ہماری ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے ماحول میں اُلجھ کر ہی نہیں رہ جانا چاہیئے بلکہ اُس سے اُوپر اُٹھنا چاہیئے۔ اس عمل سے ہمارے نقطۂ خیال کی تصحیح ہوگی۔ ہمیں اسی دُنیا میں رہتے ہُوئے اپنے خُداوند کے صعود میں شریک ہونا ہے۔ کرسمس کے وقت آسمان زمین بوس ہوتا ہے۔ لیکن صعود کے وقت زمین فلک بوس ہوتی ہے۔ مسیح اس لئے آیا تا کہ ہم زمینیوں کو آسمان پر لے جائے۔ یہی عشائے ربانی کی قدیمی دُعا کا مُدعا ہے۔ اے خُدا تو جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور اُس کو بحال بھی کیا ہے۔ ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے مقدّس رازوں کا محرم بنا کر

[31] ٹی ڈِیئوم۔

اُسکی ذات میں شریک کرے۔ جس نے ہماری انسانیت اختیار کی یعنی تیرا اکلوتا بیٹا ہمارا خُداوند یسُوع مسیح"۔ کرسمس اور صعود، آسمان اور زمین، زمین اور آسمان، خُدا اور انسان، انسان اور خُدا، اِن سب میں درمیانی زندہ اور جلالی مسیح مصعود ہے۔ آؤ ہم اپنی زندگی کے دن اُس کی عبادت کی خوشی میں گزاریں اور کلیسیا میں اُس کی حمد وستائش کریں +

---

# پاک رُوح کی حقیقت اور فعلیّت

اعمال ۲: ۱-۱۳

تواریخ کلیسیا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک رُوح کے متعلق بھی کلیسیا میں کچھ عرصہ تک غلط تصوّرات کام کرتے رہے۔ بالخصوص اُس زمانہ میں جبکہ اقنوم ثانی کے متعلق کلیسیا کئی ایک بدعتی تعلیمات کا شکار ہو رہی تھی۔ ایریس جس طرح مسیح کو مخلوق مانتا تھا اُسی طرح پاک رُوح کو بھی مخلوق تصوّر کرتا تھا۔ اس کے بعد چھٹی صدی میں سوسینس (Soccinus) نے یہ تعلیم دینا شروع کی کہ درحقیقت خُدا کی ذات میں وحدتِ محض ہے۔ باپ۔ بیٹا اور رُوح القدس خُدا کی تین فعلیّتوں کے نام ہیں۔ آج کل بھی یونیٹیرین مسیحی اور عقل پرست اصحاب کچھ اسی قسم کی تعلیم کے معتقد ہیں۔ لیکن خُدا کا شکر ہے کہ بہت جلد کلیسیا اُس صحیح تعلیم سے واقف ہو گئی جو خُدا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اور پاک رُوح کو اقانیم ثلاثہ کا ایک اقنوم



تسلیم کرنے لگ گئی۔ اُس کی شخصیت کی قائل ہو گئی اور اُسے جوہر اور اوصاف کے لحاظ سے خُدا باپ اور خُدا بیٹے کا ہم پلہ مان لیا۔ اور کئی صدیوں سے یہ صحیح تعلیم کلیسیا میں رائج ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ کلیسیا نے پاک رُوح کی حقیقت کو زیادہ تر شعوری اور تعلیمی طور پر مانا ہے۔ ابھی تک کلیسیا کی زندگی اور پروگرام میں پاک رُوح کو وہ اہمیت نہیں ملی جو ملنی چاہیئے تھی۔ اگر ملتی تو آج شاید کلیسیا کی بلکہ کُل دُنیا کی تاریخ ایک مختلف اور زیادہ شاندار تاریخ ہوتی۔

۱۔ پنتیکوست کے دِن سے پہلے بھی پاک رُوح دُنیا میں کام کر رہی تھی پنتیکوست کا دن پاک رُوح کا جنم دن نہیں ہے۔ پُرانے عہد نامہ میں کئی موقعوں پر پاک رُوح کے عنایت کئے جانے کا ذکر ہے۔ خاص خاص اشخاص کو خاص خاص خدمات کی انجام دہی کے لئے پاک رُوح عنایت ہوتا تھا۔

مثلاً یُوسف میں پاک رُوح کی موجودگی اور تائید کا اعتراف کیا گیا ہے۔ "سو فرعون نے اپنے خادموں سے کہا کہ کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی رُوح ہے مِل سکتا ہے؟" پیدائش ۴۱: ۳۸۔ اِسرائیل کے ستر بزرگوں کو نبوّت کی غرض سے پاک رُوح ملی۔ "تب خُدا ابر میں ہو کر اُترا اور اُس نے موسےٰ سے باتیں کیں۔ اور اُس رُوح میں سے جو اُس میں تھی کچھ لے کر اُن ستر بزرگوں میں ڈالا۔ چنانچہ جب رُوح اُن میں آئی تو وہ نبوّت کرنے لگے"۔ گنتی ۱۱: ۲۵۔ بضلی ایل کے متعلق آیا ہے "اور مَیں نے اُس کو حکمت اور فہم اور علم اور ہر طرح کی صنعت میں رُوح اللہ سے معمور کیا ہے"۔ خروج ۳۱: ۳۔ غتنی ایل کو قوت اور بہادری عطا کرنے کی غرض سے رُوح القدس دی گئی "اور خُداوند کی رُوح اُس پر اُتری اور وہ اِسرائیل کا قاضی ہوا اور جنگ کے

لئے نکلا" قضاۃ ۳: ۱۰۔ اسی طرح جدعون پر بھی خُدا کی رُوح نازل ہوئی۔ ۲سموایل ۲۳: ۲ میں مرقوم ہے "خُداوند کی رُوح نے میری معرفت کلام کیا اور اُس کا سخن میری زبان پر تھا"۔

اِسی طرح نئے عہدنامہ میں بھی پنتیکوست سے پہلے پاک رُوح کی فعلیت اور قوت اور ہدایت کا ذکر ہے۔ لیکن جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے رُوح کا یہ انعام خصوصیت کے ساتھ خُدا کی برگزیدہ قوم کے خاص خاص افراد کو خاص خاص خدمات کے لئے بخشا جاتا تھا۔ عمومیت کے ساتھ کُل ایمانداروں کے لئے ممکن نہ تھا۔ کیوں؟

۲۔ اِس کی وجہ یوحنا رسول بتاتا ہے "کیونکہ رُوح اب تک نازل نہ ہُوا تھا۔ کیونکہ یسُوع اب تک اپنے جلال کو نہ پہنچا تھا"۔ درحقیقت پاک رُوح کے نزُول کا تعلق مسیح کے تجسّم اور زندگی اور صلیب کے ساتھ ہے۔ عہدِ عتیق کے انبیا میں یہ یقین پایا جاتا تھا اور وہ اس کے متعلق پیشینگوئیاں بھی کرتے تھے کہ ایک وقت آئیگا کہ انسان کا دل حقیقی معنوں میں تبدیل کر دیا جائیگا اور خُدا اُس کے دل میں بُود و باش کریگا۔ اُسے بار بار نصیحت کرنے کی ضرورت نہ پڑیگی۔ بلکہ نیکی کرنا۔ روحانی زندگی بسر کرنا اور خُدا کی مرضی کو پُورا کرنا انسان کی زندگی کا خاصہ ہو جائیگا۔ مگر یہ سب کچھ آخری زمانے میں ہوگا۔ یہ اُس وقت ہوگا جب "یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلیگی اور اُس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہوگی۔ اور خُداوند کی رُوح اُس پر ٹھہریگی۔ حِکمت اور خرد کی رُوح مصلحت اور قدرت کی رُوح معرفت اور خُداوند کے خوف کی رُوح"۔ اُس وقت خُداوند فرماتا ہے کہ مَیں اِسرائیل کے گھرانے سے ایک نیا عہد باندھونگا۔ "مَیں اپنی شریعت اُن کے باطن میں رکھوں گا۔



اور اُن کے دل پر اُسے لکھونگا۔ اور مَیں اُن کا خُدا ہونگا اور وہ میرے لوگ ہونگے"۔

یہ نیا اور بہتر عہد کونسا عہد ہے؟ یہ وہ عہد ہے جس پر خُدا کے بیٹے کے خُون کی مُہر ہے۔ یہ وہ عہد ہے جو خالق نے مخلوق کے ساتھ نئے طور پر باندھا ہے جس میں "خُدا انسان" (God - man) درمیانی ہُوا ہے۔ یہ شریعت کا عہد نہیں ہے جو محض گناہ کا فتوے لگانے کا عہد تھا۔ یہ وہ عہد ہے جو گناہوں کے معاف کرنے کا عہد ہے۔ یہ وہ عہد نہیں جو محض گناہوں کی پہچان عطا کرتا ہے۔ بلکہ یہ وہ عہد ہے جو گناہوں پر فتح بخشتا ہے۔ یہ وہ عہد ہے جس کی رُو سے خُدا محض ایک دُور افتادہ حاکم نہیں ہے۔ بلکہ وہ خُدا بن جاتا ہے جو انسان کے دل میں بس جاتا ہے۔ اور انسان کو ایمان اور نیک اعمال کی توفیق عنایت فرماتا ہے۔ یہ وہ عہد ہے جس کی رُو سے خُدا یہ کہہ سکتا ہے کہ "مَیں تم کو نیا دل بخشونگا اور نئی رُوح تمہارے باطن میں ڈالونگا۔ اور تمہارے جسم میں سے سنگین دل کو نکال ڈالوں گا۔ اور گوشتین دل تم کو عنایت کرونگا۔ اور مَیں اپنی رُوح تمہارے باطن میں ڈالونگا اور تم سے اپنے آئین کی پیروی کراؤنگا۔ اور تم میرے احکام پر عمل کروگے اور اُن کو بجا لاؤگے"۔

اِن آیات میں خُدا اپنی رُوح کے دینے کا وعدہ فرماتا ہے۔ کیونکہ یہی انسان کی جملہ مشکلات اور گناہ کا واحد علاج ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اگر خُدا مجسّم اور مصلوب خُدا نہ ہو تو مَیں محض ایک خالق اور حاکم خُدا کا قائل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی نجات کی تکمیل کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ خُدا جو اپنے بیٹے میں مجسّم اور مصلوب ہُوا ہے وہ ہر انفرادی زندگی میں

بھی مجسم ہو جائے اور بس جائے۔ اور انسانی زندگی کو مصلوب کر کے اپنی پاک اور الٰہی زندگی اُس میں بسر کرے۔ اور وہ پاک رُوح کے ذریعے ایسا ہی کرتا ہے۔

مگر یہ اُسی وقت ممکن ہے جب گناہ کی وہ دیوار جو خُدا اور انسان کے درمیان ہے دُور کر دی جائے جب تک یہ دیوار بیچ میں حائل ہے تب تک خُدا اور انسان میں کوئی تعلّق قائم نہیں ہو سکتا۔ یوحنّا کہتا ہے "کیونکہ رُوح اب تک نازل نہ ہُوا تھا۔ اِس لئے کہ یسُوع اب تک اپنے جلال کو نہ پہنچا تھا۔" سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جلال کونسا جلال ہے؟ یہ وہ جلال ہے جس کا ذکر پولوس رسول فلپیوں کے خط کے دوسرے باب میں کرتا ہے۔ یہ وہ جلال ہے جو اُسے بے جلال ہو جانے کے بعد پھر ملتا ہے۔ یہ وہ جلال ہے جو اُسے اپنے آپ کو خالی کر دینے۔ انسان کے مشابہ ہو جانے اور صلیبی موت گوارا کرنے کے بعد ملتا ہے۔ یہ وہ جلال ہے جس کا ذکر ہمارا خُداوند خود یوحنّا کی انجیل کے سترھویں باب میں کرتا ہے۔ یہ وہ جلال ہے جو بے جلال اور گناہ آلُود انسانیت کو جلال دینے سے اُسے حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ جلال ہے جو مغفور انسانیّت سے اُسے حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ جلال ہے جو اُسے صلیب سے حاصل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سٹینلی جونس (STANLY JONES) صاحب اُس جلال کی جو "تبدیلی کے پہاڑ" پر ہمارے خُداوند کو حاصل ہوتا ہے یُوں تعبیر کرتے ہیں۔ کہ جب خُداوند نے اپنے شاگردوں کو صاف صاف بتانا شرُوع کر دیا کہ ضرور ہے کہ مَیں یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں۔ اُس وقت یہ



جلال اُسے مرحمت کیا جاتا ہے۔ گویا یہ جلال صلیب کا جلال ہے۔ یہ وہ نُور کی شعاعیں ہیں جو "کلوری کے پہاڑ" پر سے "تبدیلی کے پہاڑ" پر پڑ رہی ہیں یہ وہ تجلّی ہے جو صلیب کے چمکتے ہوئے زخموں سے پیدا ہو رہی ہے۔ یہ وہ ضیا پاشیاں ہیں جو اُس چہرۂ مبارک سے نکل رہی ہیں جسے مغفور انسانیت کے جلال نے نورانی کر دیا ہے۔ یہ اُس خُدا کے چہرے کا نُور ہے جس پر سے نقاب اُٹھ گیا ہے۔ یہ روشنی پاک ترین مکانوں سے نکل رہی ہے جہاں کا پردہ پھٹ چُکا ہے۔ اور اب "ہم یسُوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلہ سے پاک کئے گئے ہیں" (عبرانیوں ۱۰:۱۰)۔ "پس اے بھائیو۔ چونکہ ہمیں یسُوع کے خون کے سبب سے اُس نئی اور زندہ راہ سے پاک مکان میں داخل ہونے کی دلیری ہے جو اُس نے پردہ یعنی اپنے جسم میں سے ہو کر ہمارے واسطے مخصوص کی ہے .... تو آؤ ہم سچّے دل اور پُورے ایمان کے ساتھ اور دل کے الزام کو دُور کرنے کے لئے دِلوں پر چھینٹے لے کر اور بدن کو صاف پانی سے دُھلوا کر خُدا کے پاس چلیں" (عبرانیوں ۱۰:۱۹۔۲۰۔۲۲)۔ مسیح کے کفّارہ کے طفیل ہمارا خُدا تک پہنچنا اور خُدا کا ہماری زندگیوں میں آ جانا ممکن ہو گیا ہے۔

خُداوند اپنے مغموم شاگردوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ میرا جانا ضرور ہے۔ کیونکہ مَیں جا کر ایک اور مددگار تمہارے لئے بھیجونگا۔ یہاں لفظ "اور" قابلِ غور ہے۔ یعنی خُداوند فرماتا ہے کہ ایک مددگار تو مَیں تھا۔ مگر اب مَیں جاتا ہُوں لیکن تمہیں ایسا ہی ایک اور مددگار مِل جائیگا۔ ہو بہو یہی لفظ یوحنّا رسول اپنے پہلے خط کے دوسرے باب کی پہلی آیت میں ہمارے خُداوند کے لئے استعمال کرتا ہے۔ "اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے۔

یعنی یسوع مسیح راستباز"۔ یونانی کا جو لفظ اس جگہ استعمال ہؤا ہے اُس کے معنی ہیں۔ وکیل۔ شفیع۔ مقدمہ کے وقت کسی کے پہلو میں کھڑا ہونے والا۔ اور اُس کی امداد اور حمایت کرنے والا۔ تو گویا خداوند اپنے شاگردوں کو یہ تسکین دے رہا ہے کہ یہ سب کام پہلے تو مَیں کیا کرتا تھا۔ مَیں ہمیشہ تمہیں اپنے پہلو میں رکھتا تھا۔ تمہاری بلائیں لیا کرتا تھا۔ تمہارے تیر ہائے حوادث کو اپنے سینے میں چھپا لیتا تھا۔ مَیں خُدا کے سامنے تمہارا وکیل اور شفاعت کرنے والا تھا۔ مغموم نہ ہو۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہیگا۔ اب مَیں تھوڑے عرصہ کے لئے تمہاری جسمانی آنکھوں سے اوجھل ہونے والا ہُوں۔ مگر مَیں پھر آؤنگا۔ لیکن ایک دفعہ مجھے باپ کی حضوری میں صلیب کے زینہ کے راستہ سے ضرور پہنچنا ہے۔ مجھے تمہارا جھگڑا طے کرنا ہے۔ تمہارے گناہوں کا حساب کتاب چُکانا ہے۔ اِس کے بعد مَیں پھر آؤنگا اور دُنیا کے آخر تک تمہارے ساتھ رہونگا۔ اب تو مَیں جسم کی قید میں ہُوں مگر پھر آزاد ہو جاؤنگا۔ ہر جگہ۔ ہر وقت۔ ہر زمانہ میں اور ہر حالت میں تمہارے ساتھ رہونگا۔ بلکہ تمہارے اندر رہونگا۔ میری زندگی تمہاری ہو جائیگی۔ تمہاری زندگی میرے ساتھ خُدا میں چھپ جائیگی۔ بشری کمزوریاں غائب ہوتی جائینگی۔ الٰہی خوبیاں ظاہر ہوتی جائینگی۔ آدم کا فرزند مصلوب ہوتا جائیگا خُدا کا فرزند صُورت پکڑتا جائیگا۔

۳۔ خُدا کا یہ عجیب وغریب وعدہ پنتیکوست کے دن پُورا ہوتا ہے۔ پنتیکوست کے متعلق دو ایک باتیں نہایت ہی قابلِ غور ہیں۔

(الف) خُدا کا پاک رُوح اِس موقع پر پہلی دفعہ ایک شخص کی صورت میں ایمان داروں پر ظاہر اور نازل ہوتا ہے۔ اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ



پنتیکوست کے واقعہ سے پہلے ازل سے پاک رُوح ذاتِ الٰہی کا ایک اقنوم ہے۔ لیکن جس طرح سے اقنومِ ثانی ازل سے تھا مگر ایک خاص وقت میں آکر وہ انسانی تاریخ میں داخل ہوتا ہے اور یسُوع ناصری میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح سے خُدا کے ازلی انتظام کے مطابق ایک خاص وقت پر پاک رُوح ایمان داروں پر اور ایمان داروں میں ظاہر ہوتا ہے جس طرح سے خُدا پاک رُوح نے خُدا بیٹے کے لئے ایک جسم تیار کیا تھا اُسی طرح سے خُدا بیٹا اب خُدا پاک رُوح کے لئے ایک جسم تیار کرتا ہے۔ یسُوع ناصری میں خُدا کا عام اور عالمگیر تجسّم ہؤا۔ لیکن ایمان داروں میں اُس کا انفرادی تجسّم ہوتا ہے۔ مسیح کے کفّارہ کے طفیل خُدا ہر ایمان دار کے دل میں اپنی پُوری معموری کے ساتھ سکونت کرتا ہے جس طرح "کلام مجسّم ہؤا اور فضل اور سچّائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال"۔ اُسی طرح وہی خُدا اپنے لے پالک فرزندوں میں بھی فضل اور سچّائی سے معمور ہو کر مسکن گزین ہو جاتا ہے۔ اور وہ فرزند اُس کے الٰہی جلال کے مظہر بن جاتے ہیں۔ اور اُس خُداوند کے وسیلہ سے جو رُوح ہے اُسی جلالی صورت میں درجہ بدرجہ بدلتے جاتے ہیں۔ اور اُن کے بے نقاب چہروں سے خُداوند کا جلال اس طرح مُنعکس ہونے لگ جاتا ہے جس طرح آئینہ میں۔ اور جس طرح خُدا کے اکلوتے بیٹے میں الٰہی ذات تھی جو ہمیشہ اُس کی انسانی ذات پر حاوی رہتی تھی اور ارتکاب گناہ اُس کے لئے ناممکن تھا۔ اُسی طرح خُدا کے لے پالک بیٹے اور بیٹیوں میں بھی خُدا پاک رُوح ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اور اُن کی انسانی ذات پر حاوی رہتا ہے اور ارتکاب گناہ سے اُنہیں بچائے رکھتا ہے۔ اِسی لئے یوحنّا رسول بڑے وثوق سے فرماتا ہے کہ "جو کوئی خُدا سے

پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا"۔ پاک رُوح کے انسانیت میں مسکن گزیں ہونے سے انسانیت کی کایا پلٹ گئی ہے بلکہ کُل انسانیت کی تاریخ بدل گئی ہے۔

اب اس نئی انسانیت کے باہر بھی ایک شفیع اور مددگار ہے جو ہر وقت اپنی کامل قربانی اور بے بیان محبت کی بنا پر ہمیشہ باپ کے سامنے ہماری شفاعت کرتا رہتا ہے۔ اور باطن میں بھی ایک شفیع اور مددگار ہے جو آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا رہتا ہے۔

(ب) دوسری بات جو پنتیکوست کے متعلق قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ پنتیکوست مسیح کی کلیسیا کا جنم دن ہے۔ اس سے پہلے مسیحی محض شاگرد تھے۔ لیکن اب ایک جماعت ہیں۔ ایک کلیسیا میں منظم ہو گئے ہیں۔ ایک زندہ جسم کا حصہ بن گئے ہیں جن کا سر مسیح ہے۔ اور مسیح کے اُس جسم میں پیوست ہو جانے کے باعث ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے ہیں۔ سب ایک ہی جسم کے اعضاء ہیں جن میں ایک ہی زندگی جاری وساری ہے۔ ایک کا دُکھ دُوسرے کا دُکھ ہے۔ ایک کا سُکھ دوسرے کا سُکھ ہے۔ اُن کی اپنی انفرادی زندگی بھی ہے۔ لیکن اُن کی ایک مجموعی زندگی بھی ہے۔ وہ ایک ایسی عمارت ہیں جو رسولوں اور نبیوں کی نیو پر اُٹھائی گئی ہے۔ جس کے کونے کے سرے کا پتھر خود مسیح ہے۔ ایک ہی بدن ہے اور ایک ہی رُوح۔ ایک ہی خداوند ہے اور ایک ہی ایمان۔

پنتیکوست کا واقعہ اور بھی زیادہ آسانی سے اُس وقت سمجھ میں آجاتا ہے جب ہم کلیسیا کے مقصد سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اور اُس اہم خدمت پر غور کرتے ہیں جو اُس کے سپرد کی جاتی ہے۔ "تم یروشلیم اور یہودیہ اور سامریہ بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہوگے"۔ اس خدمت میں خدا کے اُن



ازلی ارادوں کا ذکر ہے جو ایک وقتِ معین پر آ کر لباسِ عمل سے ملبوس ہو جاتے ہیں۔ اس میں خُدا کی اُس بے بیان محبت کی بشارت ہے جو کُل نوعِ انسانی کی نجات میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ خدمت آسمان کی بادشاہت کی تبلیغ اور توسیع سے متعلق ہے۔ اِس میں تمام نظامِ عالم کی تجدید پائی جاتی ہے۔ یہ خدمت گناہ کی شکست اور راستبازی کی فتح سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا یہ خدمت ایک نہایت ہی مبارک مگر مشکل خدمت ہے۔ اِسے محض انسانی لیاقت اور قوت کی بناء پر انجام دینا ناممکن ہے۔ اس کے لئے الٰہی قوت اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور وہ قوت کلیسیا کو پنتیکوست کے دن عنایت ہوتی ہے۔ جبکہ پاک رُوح آگ کے شعلہ کی سی پھٹتی ہوئی زبانوں کی شکل میں اُن پر نازل ہوتا ہے۔ پاک رُوح کا زبان کی شکل میں نازل ہونا نہایت ہی پُرمعنی اور قابلِ لحاظ ہے۔ اب تک کلیسیا گواہی دینے والی کلیسیا نہیں بنی تھی۔ بلکہ یہودیوں کے خوف سے دروازے بند کر کے عبادت کیا کرتی تھی۔ ابھی تک کلیسیا کی منکار زیرِ پر ہے۔ لبوں پر مُہرِ سکوت ہے۔ زبان میں قوتِ گویائی نہیں۔ بلکہ مُنہ میں زبان ہی نہیں۔ اِس لئے پاک رُوح زبان بن کر کلیسیا پر نازل ہوتا ہے۔ اور اُن کی زبانیں کُھل جاتی ہیں۔ اور وہ نجات کی خوشخبری دینے لگ جاتے ہیں۔ اور مختلف مُلکوں اور زبانوں کے لوگ اُن کے مُنہ سے خُدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان سُنتے ہیں۔ اُس دِن اُن کا خوف دلیری میں بدل جاتا ہے۔ اُن کی خاموشی گویائی میں مبدّل ہو جاتی ہے۔ پاک رُوح اُنہیں گواہ اور مُبشر بنا دیتا ہے مقفّل دروازوں کے پیچھے عبادت کرنے والی جماعت ایک تیز رَو دریا کی طرح بہ نکلتی ہے اور دُنیا کے کونوں کونوں تک پھیل جاتی ہے۔ ایک

علمدار فوج کی طرح للکارتی ہوئی اور یلغار کرتی ہوئی تمام مہذّب دُنیا پر چھا جاتی ہے۔ کوئی طاقت اُسے مغلوب نہیں کر سکتی۔ کوئی آفت اُسے اُس کے مقصد سے ہٹا نہیں سکتی۔ کوئی سلطنت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی مصیبت اُس کے ایمان کو ہلا نہیں سکتی۔ عالمِ ارواح کے دروازے بھی اُس پر غالب نہیں آ سکتے۔ کیوں؟ اِس لئے کہ اُس میں خُدا کی زندگی کام کر رہی ہے۔ اُس میں خُدا کا پاک رُوح بسا ہوا ہے۔ وہ ایک الٰہی جماعت ہے۔ اُس کا ایک حِصّہ آسمان سے وابستہ ہے اور ایک حِصّہ زمین میں کام کر رہا ہے۔

ہندوستان کی کلیسیا ابھی تک پُورے طور پر گواہی دینے والی کلیسیا نہیں ہے۔ ابھی تک ہماری زبانیں بند ہیں۔ ابھی تک ہمارے لبوں پر مُہرِ خاموشی ہے۔ ہم نے ابھی تک کلیسیائی طور پر خُدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان کرنا شروع نہیں کیا۔ کیوں؟ کیونکہ ابھی تک کلیسیائی طور پر ہم نے پنتیکوست کا تجربہ نہیں کیا۔ ہم ابھی تک قوّت کے لباس سے ملبوس نہیں ہُوئے۔ بلکہ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے محض یوحنا کا بپتسمہ پایا ہے اور اُسی پر اکتفا کئے ہُوئے ہیں۔ ہمیں معلوم بھی نہیں کہ رُوح القُدس نازل ہو چکا ہے یا الوہیت انسانیّت میں خیمہ زن ہو چُکی ہے۔ اگر ہم اس حیرت انگیز حقیقت سے ناواقف رہیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ اگر پاک رُوح کے انعام کے باوجود بھی کمزور اور بے لطف رہیں تو یہ ہماری غلطی ہے۔ اگر مُلکِ موعود کے باوجود بھی ہم سینا کے بیابان میں آوارہ پھرتے رہیں تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔

آج پاکستانی کلیسیا کی سب سے بڑی ضرورت پاک رُوح کا بپتسمہ ہے



ہم بہت درجہ تک رسولی کلیسیا کی طرح دُنیا کے خوف سے دروازے بند کر کے عبادت کر رہے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم یروشلیم میں ٹھیرے رہیں اور عالمِ بالا سے قوّت کے منتظر رہیں۔ خُدا کے حضور میں دست بدعا رہیں کہ پاک رُوح آگ کی طرح ہم پر نازل ہو۔ گناہ کی گندگی اور آلودگی کو بھسم کر دے۔ ہماری زبانیں کھول دے اور ہمیں بشارت اور گواہی دینے کی توفیق دے۔

ہم آج کل ایک نئے نظامِ عالم کے متمنّی ہیں۔ ایک نئے اور بہتر پاکستان کے خواہشمند ہیں۔ ایک نئی اور بہتر دُنیا اُس وقت معرضِ وجود میں آ سکتی ہے جب کلیسیا حقیقی معنوں میں پاک رُوح کا مسکن بن جائے۔ ایک نیا اور بہتر پاکستان اُسی وقت رُونما ہو سکتا ہے جب پاکستان کی کلیسیا میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے اور وہ پاک رُوح سے معمور ہو جائے۔

---

# ہماری مسیحی میراث

(بشپ جے۔ ڈبلیو۔ پکٹ صاحب)

پہلی آیت۔ سب چیزیں تمہاری ہیں۔ خواہ پولُس ہو خواہ اپلّوس۔ خواہ کیفا خواہ دُنیا۔ خواہ زندگی خواہ موت۔ خواہ حال کی چیزیں خواہ استقبال کی۔ سب تمہاری ہیں اور تم مسیح کے ہو اور مسیح خُدا کا ہے۔ ۱ کرنتھی ۳: ۲۱-۲۳۔

دوسری آیت۔ ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے خُدا اور باپ کی حمد ہو۔ جس نے یسُوع مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے باعث اپنی بڑی رحمت سے ہمیں زندہ امید کے لئے نئے سرے سے پیدا کیا۔ تاکہ ایک غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث کو حاصل کریں۔ وہ تمہارے واسطے (جو خُدا کی قدرت سے ایمان کے وسیلہ سے اُس نجات کے لئے جو آخری وقت میں ظاہر ہونے کو تیار ہے حفاظت کئے جاتے ہو) آسمان پر محفوظ ہے۔ ۱پطرس ۱: ۳-۵ +

مسیحی ایک ایسی میراث کا وارث ہے جو قیمتی اور مختلف اقسام کی ہے انسانی حاصلات میں سے کوئی اچھی چیز اُس سے دریغ نہیں کی جاتی۔ کرنتھیوں کے نام کے پہلے خط کی مذکورہ بالا آیت کے الفاظ میں پولُس رسول نے اس امر کا دعوے کیا ہے۔ وہ ایک ایسی میراث کی بابت سوچ رہے ہیں جو اِس زندگی میں حاصل ہو چکی ہے اور استعمال میں بھی آرہی ہے۔ ایک وسیع میراث۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بالکل مسیح کے فرمان کے مطابق استعمال ہو "سب تمہاری ہیں اور تم مسیح کے ہو"۔

اسی طرح یہ میراث فی الحقیقت غیر فانی اور بے داغ اور لازوال بھی ہے یہ دعوے پطرس رسول کا ہے جو مذکورہ بالا آیت کے الفاظ میں آپ نے اپنے پہلے خط میں پیش کیا ہے۔ وہ ایک ایسی میراث کی بابت سوچ رہے ہیں جو آئندہ زندگی میں حاصل ہوگی۔ "وہ تمہارے واسطے۔ ... آسمان پر محفوظ ہے"۔

یہ رسُول ہمیں صاف بتاتے ہیں کہ مسیحی ہونے کی حیثیت سے ہماری میراث مختلف اقسام کی اور بیش بہا ہے۔ یہ زندگی کو ابھی یہاں دولتمند بناتی ہے اور ابد تک دولتمند بناتی رہے گی "جو چیزیں نہ آنکھوں نے



دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں۔ وہ سب خُدا نے اپنے محبّت رکھنے والوں کے لئے تیار کردیں"۔

لیکن قبل اس کے کہ آیات کی روشنی میں مضمون پر زیادہ غور کریں ہم پہلے اُن پہلوؤں اور وقتوں پر غور کریں جن کی طرف یہ آیتیں اشارہ کرتی ہیں۔ اوّل تو دُنیاوی دولت کا پہلو ہے۔ یہ ایک ضروری پہلو ہے کیونکہ جذبۂ حصُول انسانی فطرت میں ایک بُنیادی بات ہے۔ چنانچہ ایک مسیحی بھی غیر مسیحیوں کی مانند ملکیّت کے حاصل کرنے کا یا ملکیت کے حصُول کے ذرائع حاصل کرنے کا خواہشمند رہتا ہے۔ اور مسیحیوں کی ایسی وراثت میں بڑا فرق رہتا ہے۔ کیونکہ بعضوں کو تو دولت ملتی ہے۔ اور چند کو بہت سامال لیکن زیادہ تر ایسے ہیں جنہیں بہت ہی تھوڑا ملتا ہے۔ اور بہتیرے ایسے ہیں جنہیں ورثہ میں قرضہ کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ اور پاکستان میں ہم مسیحی مادی ملکیت کے لحاظ سے مجموعی حیثیّت سے غریب ہیں۔

پھر جسمی وراثت کا پہلو ہے۔ پشت در پشت جسمی وراثت کی تفریق نے الجھن پیدا کر رکھی ہے اور غور و فکر کا باعث رہی ہے۔ برہمنوں نے اس کی اور انسانی وراثت کی دیگر بے انصافیوں کے لاحاصل حل کے لئے کرم کی تعلیم کی اشاعت کی ہے۔ لیکن مسئلہ کرم اور بھی زیادہ اشتباہ کا باعث ہے۔ فریسیوں کا خیال تھا کہ بچّوں کی جسمی کمزوری ان کے اپنے والدین کے گناہ کے باعث خُدا کے غضب کا اظہار ہے۔ اور جدید طبّی سائنس مرکزِ خلیہ کے سوت کے دانوں (جینز) کے بارے میں ایک پیچیدہ مسئلہ وضع کیا ہے۔ یہ دانے آباؤ اجداد سے حاصل ہوتے ہیں۔ چاہے وہ قریبی ہوں یا بعیدی اور اس تناسب سے جمع ہوتے ہیں کہ انسانی دماغ کے محاسبہ اور قیاس

سے باہر ہیں۔ اور جسم و صحت کی میراث جو مسیحیوں کو حاصل ہوتی ہے غیر مسیحیوں کی میراث سے مختلف نہیں سوا اس کے کہ ممکن ہے کہ مسیحی اجداد قوانین صحت پر عمل کرتے ہوئے اپنی منتقل ہونے والی خصلتوں کو بہتر بنائیں۔ کیونکہ پرہیزگاری زندگی بہتر تندرستی کا باعث ہوتی ہے۔ اور طبیب اعظم یسوع کے سچے پیرو انسداد پذیر بیماریوں کے خلاف ہمیشہ مستعد رہتے ہیں۔

پھر دماغی میراث کا ایک پہلو ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کے دماغی قواء یکساں نہیں۔ کیونکہ کوئی بچہ تو کسی بات کو جلد سیکھ جاتا ہے اور کوئی دیر میں۔ کوئی ذہین اور کامیاب ہوتا ہے اور کوئی کند ذہن اور بھدا اور ممکن ہے کہ دماغی طور سے لائق مسیحی والدین کا بچہ اپنے نالائق غیر مسیحی پڑوسی کے بچہ کی نسبت ایک نہایت ہی ناقص میراث حاصل کرے۔

میراث کے ان پہلوؤں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ یہ بہتوں کے لئے ایسے علمی قضیئے پیدا کرتے ہیں جن کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ ان کا مقابلہ دیانتداری سے کیا جائے۔ اور یہ ایسے پہلو ہیں جن کے حصہ دار مسیحی اور مسیحی بچے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان بے انصافیوں کا الزام ہم خدا پر نہیں لگا سکتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ محبت ہے۔ اور انسان کے گناہوں کے باعث وہ ان کا مخالف نہیں بلکہ انسان کا طرفدار ہو کر اُن کے گناہوں کا مخالف ہے اور باپ دادوں کے گناہوں کی سزا اُن کی اولاد کو لینے دیتا۔ لیکن تو بھی ہم دریائے حیات کے محافظ ہیں اور جیسے ہم اس دریا کو ما قبل نسل سے حاصل کرتے ہیں اسی طرح مابعد نسل کو ودیعت کرتے ہیں اور خدا اس سلسلۂ تخلیق میں ہمارا ساتھی ہے۔ اور ہم اس دریا کو قدرے گندہ بھی کر سکتے اور اپنی اولاد کی بہتری کے لئے قدرے صاف بھی کر سکتے ہیں



میراث کے ہر ایک پہلو کی نسبت سے جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ پولُس رسولوں کے کلام اکبر پر جو ہماری روحانی اور تہذیبی میراث کی وسعت کے متعلق ہے غور کرنا مفید ثابت ہوگا۔ سچائی منجانب خدا ہے اور یہ مسیحیوں کی ملکیت ہے چاہے اس کا ظاہر کرنے والا کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح حُسن بھی منجانب خُدا ہے اور خُدا کے فرزندوں کی میراث ہے چاہے اس کا بانی کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ ایک دفعہ امریکہ میں ایک پروٹسٹنٹ کلیسیا کے پادری نے ایک دلپذیر دُعا استعمال کی جو ایک ملحد مسیحی یعنی غیر معتقد تثلیث کی تیار کی ہوئی تھی تو کلیسیا میں اس پر بحث شروع ہو گئی۔ اسی طرح ہندوستان کی ایک کلیسیا میں بھی ہوا جبکہ ایک برہمو سماجی کی دعائیہ نظم عام عبادت میں استعمال کی گئی۔ اگر ان کلیسیاؤں کے معترضین سے اتفاق کیا جائے تو کلیسیا کے بعض بہترین گیتوں سے ہمیں دست بردار ہونا پڑیگا۔ اور بعضوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ "الٰہی نور کر رہنمائی" (Lead, Kindly Light) کو صرف اس لئے رد کیا گیا چونکہ اس کے ناظم رومن کیتھلک تھے۔ اور "مسیح کی صلیب پر میں فخر کرتا ہوں" (In the cross of Christ I glory) اس لئے رد کیا گیا چونکہ اس کے ناظم معتقد تثلیث نہ رہے۔ پولُس رسول کی بصیرت اور الہامی کلام کو کہ "سب چیزیں تمہاری ہیں" قبول کرنا کیسی عقل کی بات ہے۔ ایک قابل ہندوستانی پادری کا ذکر ہے کہ آریہ سماجیوں کو خاموش کرنے کے لئے محمد صاحب کے اقوال نہایت ہی مؤثر طور پر وہ اکثر پیش کیا کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو سوامی دیانند کے اقوال سے اکثر خاموش کرتے تھے۔

ہماری رُوحانی میراث جو صریحاً مسیحی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے

ہماری ماقبل نسلوں کی میراث سے زیادہ بیش قیمتی ہے۔ کیونکہ ہم ساری مسیحی صدیوں کے رسولوں شہیدوں۔ مقدسوں اور مشہور ہستیوں کی جائداد کے وارث ہیں۔ کلیسیائی مؤرخین شعراء مصنفین اور بڑی بڑی کتابوں اور گیتوں کے ترجمہ کرنے والے ہماری میراث کی دولت کے ممد رہے ہیں۔ اور منادوں۔ استادوں اور دوست واحباب کی نسبت تو کیا ہی ذکر کرنا جنہوں نے ہمیں مسیح کی بابت بتایا اور اُس کی تعلیم دی۔ "سب تمہاری ہیں اور تم مسیح کے ہو"۔

میراث کے متعلق کتابِ مقدس میں بہت کچھ ذکر ہے۔ ڈاکٹر جیمس اسٹرانگ کی بائبل کی مکمل کانکارڈنس میں دوسو تنتیس ۲۳۳ آیتوں کی فہرست ہے جن میں لفظ میراث (          ) پایا جاتا ہے۔
اور اکتیس ۳۱ آیتوں میں لفظ میراث (          )۔ اور تیس ۳۰ آیتوں میں لفظ وارث (          ) پایا جاتا ہے۔ اور نیا عہد نامہ میں صرف ایک دفعہ میراث (          ) اور اٹھارہ ۱۸ دفعہ میراث (          ) آیا ہے۔ لیکن پرانا عہد نامہ کی نسبت دونوں الفاظ کے یہاں زیادہ روحانی معنی ہیں۔

دوسری آیت میں پطرس رسول فرماتے ہیں کہ مسیحی اپنی نئی پیدائش کے ذریعہ ایک ایسی میراث حاصل کرتے ہیں جو غیر فانی بے داغ اور لازوال ہے۔ اور یہ قیمتی میراث اُن لوگوں کے لئے آسمان پر محفوظ ہے جو خُدا کی قدرت سے ایمان کے وسیلہ نجات کے لئے حفاظت کئے جاتے ہیں۔ کچھ اسی طرح کا خیال پولوس رسول کے دماغ میں بھی تھا جبکہ انہوں نے کرنتھیوں کے نام کے دوسرے خط میں لکھا کہ "گو ہماری ظاہری انسانیت زائل ہوتی جاتی ہے پھر بھی ہماری باطنی انسانیت روز بروز نئی ہوتی جاتی ہے۔ کیونکہ ہماری دم بھر کی ہلکی سی مصیبت



ہمارے لئے از حد بھاری اور ابدی جلال پیدا کرتی جاتی ہے۔ جس حال میں کہ ہم دیکھی ہوئی چیزوں پر نہیں نظر کرتے ہیں کیونکہ دیکھی ہوئی چیزیں چند روزہ ہیں مگر اندیکھی چیزیں ابدی ہیں" ۴: ۱۶-۱۸ +

پطرس رسول کے اس خیال کو سمجھنے کے لئے کہ میراث غیر فانی بے داغ اور لازوال ہے اور قیامت زندہ امید کے لئے نئی پیدائش کا سبب ہے ہمیں ان کے پچھلے تجربوں اور یہودی تواریخ کو مدنظر رکھنا پڑیگا۔ بارہا قوموں کو اس لئے مایوسی ہوئی کہ اُن کے شریر بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں نے اُن کی میراث کو خراب اور گندہ کر کے اُسے زوال پذیر بنا دیا۔ اور خود مقدس پطرس نے بھی ایک ایسی میراث کا منصوبہ باندھا تھا جو زوال پذیر تھی۔ ان کا خیال تھا کہ خُداوند یسوع دُنیا میں شاید ایک دُنیاوی حکومت قائم کریگا۔ اور ان کی خواہش تھی کہ ملعون رومی اور غالباً دوسری قومیں بھی یہودیوں کے ہاتھوں برباد ہوں اور یہودیوں کے لئے یہودی حکومت قائم ہو۔ اور وہ یہی سمجھتے تھے کہ شاید میں اُس حکومت کا سورما بنوں۔ لیکن یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ یہودیوں میں سے شریر لوگوں نے خُداوند یسوع کی مخالفت کی۔ اُسے گرفتار کیا اور صلیب دلوادی۔ اور مقدس پطرس کے عالم تخیل کی وہ میراث جو ان کی جوانی کے ایام میں زبردست اور ادھیڑ عمر میں قریب حصول تھی اب زائل ہو گئی۔ لیکن خُداوند یسوع نے اپنی قیامت سے انہیں ایک نئی اور ایسی میراث کے لئے مقرر کیا جو نہ فانی ہو سکتی ہے نہ داغدار ہو سکتی ہے۔ اور نہ زوال پذیر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ دنیا سے نہیں جو دنیاوی ہو اور نہ دیکھی ہے۔ اور نہ چند روزہ بلکہ اندیکھی اور ابدی ہے۔

ہمارے زمانہ کے لوگوں کے لئے اس امر کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ

مقدس پطرس نے اس غیر فانی بے داغ اور لازوال میراث کی واقفیت پر کیسی سرگرمی سے مرحبا کہا ہوگا۔ کیونکہ ہم نے ساری کی ساری قوم کو وحشیانہ امید کے ساتھ اس دنیاوی میراث کے لئے اُبھارتے ہوئے دیکھا ہے۔ جس کا اُن کے شریر حاکموں نے اُنہیں وعدہ کیا تھا۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ ایک دفعہ قیصر اور اُس کے ساتھیوں نے اور دوسری دفعہ ہٹلر اور اُس کے مجرم ساتھیوں نے جرمن لوگوں کو جو کسی وقت میں ایک بڑی اور اچھی قوم تھے محتاط اور نیک زندگی سے ہٹا لیا۔ اور ہم نے اس بڑی قوم کو جرم۔ دُکھ۔ بربادی اور شکست کا دوبار شکار ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ ان کی میراث ہمارے زمانہ میں دوبار فانی داغ دار اور زوال پذیر ہوگئی۔

پولوس رسول نے رومیوں کو لکھا کہ ہم ایمان سے راستباز ٹھہرے۔ اور جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوتا ہے رسول کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ہم ایمان سے نجات میں داخل ہوتے ہیں۔ مارٹن لوتھر نے جب اس حقیقت کا دوبارہ انکشاف کیا تو یورپ میں ایک نئی زندگی آئی اور پروٹسٹنٹ اصلاح ظہور پذیر ہوئی جس کے ہم سب آج وارث ہیں۔ پطرس رسول نے بھی ایک متوازی حقیقت کی بابت لکھا جو ویسی ہی اہم ہے۔ یعنی ہم اپنی میراث میں ایمان سے صرف داخل ہی نہیں ہوتے بلکہ خدا کی قدرت سے ایمان کے وسیلہ ہماری اس میں حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ جب تک ہمارا ایمان رہتا ہے اُس وقت تک یہ لازوال رہتی ہے۔ لیکن اگر ہمارا ایمان زائل ہو جائے تو یہ بھی زائل ہو جاتی ہے ہم صرف پروٹسٹنٹ اصلاح کے وارث نہیں بلکہ ہر دور زمانہ کی وراثت کے وارث ہیں۔ کلیسیائے پنتیکوست کے وارث ہیں۔ بے دین رومیوں پر غالب آنے والی سچائی کے وارث ہیں۔ بنی اسرائیل کے نبیوں اور خدا کے اُس عہد کے

وارث ہیں جو اُس نے حضرت ابراہیم کے ساتھ باندھا تھا۔ سب چیزیں ہماری ہیں اور ہم مسیح کے ہیں اور مسیح خُدا کا ہے۔ اور ایمان وہ طریقہ ہے جس سے ہم اپنی میراث حاصل کرتے ہیں۔

خُداوند یسُوع ہمارے لئے بہترین مثال ہے کہ ہمیں گزرے زمانوں کی میراث کو کیسے استعمال کرنا چاہئے۔ وہ پاک نوشتوں پر حاوی تھا۔ اور اپنی عام منادی میں اور شاگردوں کے ساتھ شخصی گفتگو میں بارہا صحیفوں کا حوالہ دیا کرتا تھا۔ اُس نے ان نوشتوں کو اپنا کر لیا اور اُن سے اس کی رُوح اور دماغ دولتمند ہو گئے۔ اسی طرح اُس نے اپنے ماحول کی دنیا کو بھی پورے طور پر استعمال کیا۔ میدان اُس کے تھے اُس نے انہیں عزیز رکھا۔ ہوا کے پرندے اُس کے تھے اُس نے اُن سے سبق سیکھا۔ پھول جو اُس کے وطن کی پہاڑیوں پر افراط سے ہوتے تھے اُس کے تھے۔ وہ اُن سے کیسا لطف اندوز ہوتا تھا اور اُن کی بابت باتیں کرنا کتنا پسند کرتا تھا! پہاڑیاں اُس کی تھیں اور وہ تفریح دُعا کے لئے اُن پر چڑھا کرتا تھا۔ اُس نے انہیں منبر کے طور پر استعمال کیا اور وہاں سے بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کیا۔ اُس کا یہ خیال نہ تھا کہ ملکیت کے معنی کُلّی حق کے ہیں۔ اچھے پڑوسیوں کی دنیا جہاں سب لوگ ایسی زمین پر رہتے ہیں۔ جہاں خُداوند مسیح نے اپنی نیک زندگی کا جلوہ دکھایا۔ میدان پھول۔ پہاڑیاں اور پرندے سب کے فائدے کے لئے ہونگے۔ اور زندگی کی اچھی چیزوں پر سے خود غرضی کی لاحاصل پابندیاں ناپید ہو جائینگی۔

لیکن اپنے قبضہ کی جس دولت کا خُداوند نے نہایت ہی ضروری اظہار کیا اُس کا تعلق ایسی چیزوں سے نہیں جو دیکھی اور چند روزہ ہیں بلکہ اسی چیزوں سے ہے جو اندیکھی اور ابدی ہیں۔ اُس نے اُس میراث کو ظاہر کیا جو غیر فانی۔

مقدّس پطرس نے اس غیر فانی بے داغ اور لازوال میراث کی واقفیت پر کیسی سرگرمی سے مرحبا کہا ہوگا۔ کیونکہ ہم نے ساری کی ساری قوم کو وحشیانہ امید کے ساتھ اس دنیاوی میراث کے لئے اُبھارتے ہوئے دیکھا ہے۔ جس کا اُن کے شریر حاکموں نے اُنہیں وعدہ کیا تھا۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ ایک دفعہ قیصر اور اُس کے ساتھیوں نے اور دوسری دفعہ ہٹلر اور اُس کے مجرم ساتھیوں نے جرمن لوگوں کو جو کسی وقت میں ایک بڑی اور اچھی قوم تھے محتاط اور نیک زندگی سے ہٹا لیا۔ اور ہم نے اس بڑی قوم کو جرم۔ دُکھ۔ بربادی اور شکست کا دوبار شکار ہوتے ہُوئے بھی دیکھا ہے۔ ان کی میراث ہمارے زمانہ میں دوبار فانی داغ دار اور زوال پذیر ہوگئی۔

پولُس رسول نے رومیوں کو لکھا کہ ہم ایمان سے راستباز ٹھہرے۔ اور جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوتا ہے رسول کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ہم ایمان سے نجات میں داخل ہوتے ہیں۔ مارٹن لُوتھر نے جب اس حقیقت کا دوبارہ انکشاف کیا تو یورپ میں ایک نئی زندگی آئی اور پروٹسٹنٹ اصلاح ظہور پذیر ہوئی جس کے ہم سب آج وارث ہیں۔ پطرس رسُول نے بھی ایک متوازی حقیقت کی بابت لکھا جو ویسی ہی اہم ہے۔ یعنی ہم اپنی میراث میں ایمان سے صرف داخل ہی نہیں ہوتے بلکہ خُدا کی قدرت سے ایمان کے وسیلہ ہماری اس میں حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ جب تک ہمارا ایمان رہتا ہے اُس وقت تک یہ لازوال رہتی ہے۔ لیکن اگر ہمارا ایمان زائل ہو جائے تو یہ بھی زائل ہو جاتی ہے۔ ہم صرف پروٹسٹنٹ اصلاح کے وارث نہیں بلکہ ہر دَور زمانہ کی وراثت کے وارث ہیں۔ کلیسیائے پنتیکوست کے وارث ہیں۔ بے دین رومیوں پر غالب آنے والی سچّائی کے وارث ہیں۔ بنی اسرائیل کے نبیوں اور خُدا کے اُس عہد کے



وارث ہیں جو اُس نے حضرت ابراہیم کے ساتھ باندھا تھا۔ سب چیزیں ہماری ہیں اور ہم مسیح کے ہیں اور مسیح خُدا کا ہے۔ اور ایمان وہ طریقہ ہے جس سے ہم اپنی میراث حاصل کرتے ہیں۔

خُداوند یسُوع ہمارے لئے بہترین مثال ہے کہ ہمیں گذرے زمانوں کی میراث کو کیسے استعمال کرنا چاہیئے۔ وہ پاک نوشتوں پر حاوی تھا۔ اور اپنی عام منادی میں اور شاگردوں کے ساتھ شخصی گفتگو میں بارہا صحیفوں کا حوالہ دیا کرتا تھا۔ اُس نے ان نوشتوں کو اپنا کر لیا اور اُن سے اس کی رُوح اور دماغ دولتمند ہو گئے۔ اسی طرح اُس نے اپنے ماحول کی دنیا کو بھی پورے طور پر استعمال کیا۔ میدان اُس کے تھے اُس نے انہیں عزیز رکھا۔ ہوا کے پرندے اُس کے تھے اُس نے اُن سے سبق سیکھا۔ پھُول جو اُس کے وطن کی پہاڑیوں پر افراط سے ہوتے تھے اُس کے تھے۔ وہ اُن سے کیسا لطف اندوز ہوتا تھا اور اُن کی بابت باتیں کرنا کتنا پسند کرتا تھا! پہاڑیاں اُس کی تھیں اور وہ تفریح دُعا کے لئے اُن پر چڑھا کرتا تھا۔ اُس نے انہیں منبر کے طور پر استعمال کیا اور وہاں سے بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کیا۔ اُس کا یہ خیال نہ تھا کہ ملکیت کے معنی کلّی حق کے ہیں۔ اچھے پڑوسیوں کی دنیا جہاں سب لوگ ایسی زمین پر رہتے ہیں۔ جہاں خُداوند مسیح نے اپنی نیک زندگی کا جلوہ دکھایا۔ میدان پھُول۔ پہاڑیاں اور پرندے سب کے فائدے کے لئے ہونگے۔ اور زندگی کی اچھی چیزوں پر سے خود غرضی کی لاحاصل پابندیاں ناپید ہو جائینگی۔

لیکن اپنے قبضہ کی جس دولت کا خُداوند نے نہایت ہی ضروری اظہار کیا اُس کا تعلّق ایسی چیزوں سے نہیں جو دیکھی اور چند روزہ ہیں بلکہ ایسی چیزوں سے ہے جو اندیکھی اور ابدی ہیں۔ اُس نے اُس میراث کو ظاہر کیا جو غیر فانی۔

بے داغ اور لازوال ہے۔ دیکھنا وہ دولت کے عام مفہوم کے لحاظ سے کیسا غریب
تھا! اُس کے لئے سر رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اُس کا اپنا ذاتی مکان نہ تھا۔ وہ
عوام النّاس کی سمجھ سے بعید تر مجبوریوں میں گھرا تھا۔ کثیر آباد شہر بیت لحم کی
ایک چرنی میں پیدا ہوا۔ بڑھئی کے مکان میں پرورش پائی۔ وہ بھی ایسے شہر میں
جس کی بابت کہا جاتا تھا کہ وہاں سے کوئی اچھی چیز کبھی نہیں نکلی۔ اُسی قوم کا
شریک تھا جو ذلیل اور غلام تھی۔ جاہلوں کے درمیان رہا۔ الغرض سارے
امور اُس کے خلاف متحد نظر آتے تھے۔ لیکن خُدا کے ساتھ اُس کی رفاقت
تھی۔ اور اُس کی رُوح کی پرورش عالمِ بالا سے ہوتی تھی۔ وہ ایمان سے ایک
ایسی میراث میں داخل ہوا جس کی کوئی حد و حدود نہیں۔ اُس کی قوت
خُدا کی قوت، اُس کی عقل خُدا کی عقل اور اُس کی محبت خُدا کی محبت تھی۔

جس میراث کا ذکر پطرس رسول نے ایسی خوش بیانی سے کیا ہے۔ وہ
اس میں کس طرح داخل ہوئے؟ اور کیا اُس نے اُنہیں ایسی دولت سے دولتمند
کیا جو غیر فانی اور لازوال ہے؟ لاریب وہ ایمان سے داخل ہوئے۔ اور اُس میں
داخل ہونے کا اُنہیں ایسا تغیر کن تجربہ تھا کہ اُنہوں نے اُس کا نام نئی پیدائش
رکھا۔ اُنہوں نے اُسے وہ نئی پیدائش سمجھا جس کی بابت خُداوند یسُوع پیشتر
ہی کہہ چکا تھا۔ اِس وقت سے وہ ایک بدلے ہُوئے انسان بن گئے۔ وہ
اب پہلے کی طرح ڈرپوک اور باطنی طور پر خوف سے کمزور نہ رہے جیسا کہ سارے
ڈرپوکوں کا حال ہے بلکہ اپنے اُس خُداوند کے دلیر اور جید مبلغ بن گئے۔ جو گو
مصلوب ہُوا تو بھی حی القیوم ہے۔ اور کم ظرف جلد باز نائب کی جگہ گہرے
زبردست اور پُر اثر مقرر ہو گئے۔ جب اُن کی یہودی وضع کی دیکھی میراث فانی
داغدار اور زوال پذیر تھی تو وہ کیسے غریب تھے! لیکن جب نئی پیدائش سے



اُنہوں نے وہ میراث حاصل کی جو غیر فانی بے داغ اور لازوال ہے۔ اور
ایسی چیزوں پر مشتمل ہے جو اندیکھی ہیں اور ابدی حقیقت رکھتی ہیں تو وہ کیسے
دولتمند بن گئے۔ گنجائش نہیں کہ بزرگ اگستین یا سادن رِدلا یا بزرگ
فرانسس اسیسی یا جان فاکس جنہیں سنیما کے تماشوں میں آج کل بدنام کیا
جاتا ہے حالانکہ خُدا کی قدرت کے اظہار کے لحاظ سے وہ اور بھی بڑے تھے۔ یا
جان ویسلی یا مارٹن لینمولر جیسے دیگر بڑے لوگوں کے تجربوں کا ذکر کروں جنہیں
یہ ملا تھا اور عالیشان میراث حاصل تھی اور بہتیرے رہنماؤں کے لئے یہ باعثِ خسارہ
نہ ہوگا کہ جگہ کی تنگی کے سبب دیگر مثالوں کا ذکر نہ ہو سکا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ پیغام
سچا ہے اور انسانی جامہ میں اس پیغام کی سچائی کی زندہ مثالیں اُن لوگوں نے اُن
اشخاص میں دیکھی ہیں جو عوام النّاس میں شہرت نہیں رکھتے بلکہ گمنام یا ناقابلِ
شناخت بزرگ ہیں اور میرا خیال ہے کہ اعلیٰ نعمتوں کے حصول کی خواہش اُن مشہور
مرد و زن کے واقعات سے نہیں حاصل ہوتی جن کی بابت ہم نے پڑھا یا سُنا ہے کہ
اُنہیں ایسی نعمتیں حاصل تھیں بلکہ اُس حسن و جلال سے جن کا ہماری آنکھوں کے
سامنے ان لوگوں کے ذریعہ مظاہرہ ہُوا جنہیں ہم جانتے ہیں۔ سارے زمانوں کے
معتبر اولیا سے بھی زیادہ ہماری اپنی نیک خصلت ماؤں نے اس مسیحی میراث کو
ہم میں سے بہتوں کے لئے ایک حقیقت بنا دیا ہے۔ اور اگر خُدا کی قدرت سے
ایمان کے وسیلہ نجات کے لئے ہماری حفاظت ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ جو لوگ
ہمارے چہار اطراف نمودار ہو رہے ہیں اُن میں سے بعض ایسے بھی ہوں جو انجیل
کے کچھ جلال کو ہماری زندگی سے منعکس ہوتے ہُوئے دیکھیں اور اس سے خُداوند
مسیح کے چھڑائے ہوؤں کو ابدی اور غیر فانی بادشاہت کی میراث میں داخل ہونے
کی تحریک حاصل کریں۔ ✤

# تیری بادشاہت آئے

متی ۶ : ۱۰

(اے۔ ٹھاکر داس پاسبان۔ نولکھا چرچ لاہور)

انجیل کے صفحوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہو جائیگا کہ خداوند مسیح کا دائرہ تعلیم ایک اہم مرکز رکھتا ہے۔ اس مرکز پر وہ درخشاں حقیقت ہے جس کی شعاعیں اُس کی رُوح اور مافوق البشریت زندگی میں سے پھوٹ رہی ہیں۔ اُس کے تمام افعال واقوال اُسی مرکزی تجلّی میں رنگے ہوئے ہیں۔ خداوند اپنے مواعظ میں بہ تکرار اُس کا ذکر کرتا ہے۔ یہ مرکزی مضمون ہے "خُدا کی بادشاہت" خُداوند جب کبھی موقع ملتا ہے اپنے شاگردوں سے اِس بادشاہت کا ذکر کرتا ہے۔ اور اہل عالم کو ایسے شیریں الفاظ میں اُس کی خوشخبری سناتا ہے جو اُمید اور مسرّت سے پُر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کلیسیا کا ذکر بھی اُس کی تعلیم کا ایک جُزو ہے۔ اور کلیسیا کا وجود بھی خُداوند کے تصوّر اور تجویز میں شامل تھا۔ آسمان کی بادشاہت کے راز آشکارا کرنے کا فرض کلیسیا ہی کے سپرد ہُوا ہے۔ نیز کلیسیا ہی وہ الٰہی ادارہ ہے جو بندگانِ خُدا کو اِس بادشاہت میں شرکت کی دعوت دیگی۔ تاہم یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ لفظ کلیسیا اگر خُداوند کی زبان پر ایک مرتبہ آیا ہے تو خُدا کی یا آسمان کی بادشاہت کا ذکر سَو مرتبہ آیا ہے۔

باوجودیکہ آسمان کی بادشاہت خُداوند کی تعلیم کا مقصد اعظم ہے۔ اِس مضمون کے متعلق علم برداران مسیحیت کی عدم توجہی مقام حیرت ہے۔ مسیحیت کے کُل مستند عقائد ناموں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو جائیگا کہ ان عقائد ناموں



میں خُدا کی بادشاہت کا کہیں ذکر تک بھی نہیں۔ لیکن خُداوند نے جس تاکید و اصرار کے ساتھ اس بادشاہت کا ذکر کیا ہے اُس کا لازمی مطالبہ ہے کہ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اُس کے ذہن میں خُدا کی بادشاہت کا مفہوم کیا ہے۔ یہ کس قسم کی بادشاہت ہے۔ یہ کیا حقیقت ہے جس پر خُداوند اس قدر زور دیتا ہے۔ بار بار اُس کا ذکر کرتا ہے اور پھر اپنے شاگردوں سے تاکیداً کہتا ہے کہ جب تُم دُعا مانگو تو کہو "تیری بادشاہت آئے"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خُداوند کو اس بات کا احساس ہے کہ اُس کے سامعین آسانی سے اس بادشاہت کی حقیقت کو نہ سمجھ سکینگے۔ اور اس لئے وہ آسمان کی بادشاہت کی یکے بعد دیگرے کئی تصویریں تمثیلات کے پیرایہ میں پیش کرتا ہے۔ اور متعدد تشبیہوں سے آسمان کی بادشاہت کے مختلف پہلوؤں کو روشن کرتا ہے۔ مثلاً بیج بونے والے کی تمثیل۔ اچھے اور کڑوے دانے۔ رائی کا دانہ اور درخت۔ خمیر اور گُندھا ہُوا آٹا۔ خزانہ کا متلاشی۔ موتیوں کا سوداگر۔ جال اور مچھلیاں وغیرہ۔ یہ متعدد تصویریں ہیں جنہیں خُداوند نے اپنے ہم عصر اور مستقبل کے ناظرین کے لئے اپنی الٰہی تعلیم کی دیواروں پر سجایا ہے۔ اور ہر تصویر میں آسمان کی بادشاہت کا کوئی نہ کوئی خاص پہلو نمایاں ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان اجزا کی مدد سے ہمارا ذہنِ قاصر اُس کامل تصویر تک جو خُداوند کے ذہن میں تھی رسائی حاصل کرنے میں دقّت محسوس کرتا ہے۔

آج بھی اگر کسی ایسے مسیحی سے جس نے کبھی خُداوند کی تعلیم پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی یہ دریافت کیا جائے کہ خُدا کی بادشاہت کے کیا معنی ہیں اور آپ کیا سمجھ کر یہ دُعا مانگا کرتے ہیں کہ "تیری بادشاہت آئے"۔ تو شاید کچھ مشکل میں پڑ جائیگا اور صحیح طور پر یہ نہ بتا سکیگا کہ اُس کے دل میں خُدا کی بادشاہت

کا کیا مفہوم ہے۔ ہاں یہ تسلیم کریگا کہ پاک کلام میں بارہا اس کا ذکر پڑھا ہے اور عبادت خانوں میں اس کے متعلق باتیں سُنی ہیں اور بس۔ اگر زیادہ کرید کر پوچھا جائے تو شاید یہ جواب ملیگا کہ آسمان کی بادشاہت سے کوئی ایسا سنہری مستقبل مُراد ہے جس میں وہ تمام مظالم اور جھگڑے ختم ہو جائینگے جنہیں مکروہات عالم کہا جاتا ہے۔ جو حضرات اِس زمانہ کی تحریکوں سے متاثر ہیں غالباً وہ اس کی یہ تاویل فرمائینگے کہ آسمان کی بادشاہت اور اشتراکیت ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ یعنی انسانی زندگی کا وہ نظام جس میں معاشرتی حیثیت سے مساوات کا تصوّر درجہ کمال تک پہنچ جائیگا۔ اور ہر ایک انسان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ خداوند کریم کے بچھائے ہوئے ارضی دستر خوان پر بیٹھ کر پیٹ بھر کے کھانا کھائے۔ انسانی تصوّرات و خیالات سے قطع نظر کرکے خُدا کی بادشاہت کے اُس مفہوم کو سمجھنے کے لئے جو خُداوند کے دل میں تھا لازمی ہوگا کہ ہم اُسی کے بیانات پر غور کریں۔ لیکن مفکر جب اُن الفاظ کو غور سے پرکھتا ہے جو خُداوند نے آسمان کی بادشاہت کے متعلق فرمائے ہیں تو اُسے یہ دشواری پیش آتی۔ کہ بظاہر ان الفاظ میں تضاد موجود ہے۔ مثلاً ایک موقعہ پر خُداوند نے فرمایا۔ کہ "آسمان کی بادشاہت کھیت میں چھپے ہوئے خزانہ کی مانند ہے۔ جسے کسی آدمی نے پاکر چھپالیا"۔ متی ۱۳: ۴۴۔ لیکن پھر ایک اور موقع پر خُداوند اپنے شاگردوں سے کہتا ہے کہ "لوگ یہ نہ کہینگے کہ دیکھو یہاں ہے یا وہاں ہے کیونکہ دیکھو خُدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے"۔ لوقا ۱۷: ۲۱۔ ان بیانات کو پڑھ کر عقلِ دُور اندیش یہ فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کرتی ہے کہ یہ چیز یا یہ حقیقتِ پنہاں آخر ہے کیا جو ہمارے اندر بھی ہے اور باہر بھی؟ جو ہمارے خارج اور باطن دونوں میں موجود ہے۔



ہاں ہاں سچ ہے کہ یہ ایک نرالی حقیقت ہے۔ ایک انوکھی بادشاہت ہے اور اس کا انوکھا پن ہی اس کو تمام دنیاوی بادشاہتوں اور انسان کے خود ساختہ نظاموں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ بادشاہت خارج میں موجود ہے۔ لیکن خارجی اشیاء سے محدود نہیں۔ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ امن و امان عمدہ مکان۔ حفظِ صحت۔ معقول آمدن۔ سیاسی اور معاشرتی مساوات سماجی اصلاحیں یہ تمام باتیں اِس بادشاہت کے نتائج ہیں اور اس میں شامل ہیں۔ لیکن اِن سب سے مافوق یہ بادشاہت انسانی زندگی کی اُن غیر مرئی گہرائیوں تک پہنچتی ہے۔ جہاں خود غرضی۔ حرص اور مخاصمت مخفی ہیں۔ جن کا علاج اشتراکیت یا دیگر انسانی نظاموں کی طبّ جدید میں موجود نہیں۔ بلکہ مُطلقاً اور کلیتاً اِس آسمانی بادشاہت میں موجود ہے۔ جس کی ابتداء ایک نئے جنم سے ہوتی ہے جس کا تعلق انسانی رُوح اور باطن کے ساتھ ہے"۔

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے اختتام پر اہلِ علم نے کوشش کی کہ آئیندہ اہلِ عالم اس قسم کی تباہ کُن اور مہیب جنگ کا ایندھن نہ بنیں۔ بین الاقوامی لیگ قائم کی گئی۔ اسلحہ سازی پر قیود عائد کی گئیں۔ دُنیا کی مختلف اقوام نے اپنے اپنے ملکوں کی ترقی اور امن کے لئے نئے نئے نظام اختراع کئے۔ یہ سب کچھ ہُوا لیکن بیس برس کے اندر ہی اندر یہ دوسری وحشیانہ اور بہیمانہ جنگ شروع ہو گئی جس کی زد سے دُنیا کا کوئی مُلک نہ بچا۔ اور جس کی خونریزی اور تباہی دیکھ کر کلیجہ لرز جاتا ہے اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ انسان جانوروں سے بھی بدرجہا بدتر ہے۔ آناً فاناً وہی پُرانی درندگی اور وحشت پیدا ہو گئی اور اس دُنیا کو چکنا چور کر دیا۔ اِس درندگی اور وحشت کا علاج فقط اس مبارک بادشاہت ہی میں موجود ہے جس کا اعلان ہمارے خُداوند نے کیا۔ جس کا سرچشمہ باطن میں

ہے اور جس کی روانی عالمِ خارجی کے میدانوں کو بھی شاداب کرتی ہے۔ اسی میں اس مجروح دُنیا کے خارجی زخموں کا علاج بھی موجود ہے۔ اور اسی کی برکتوں سے انسانی زندگی کو حقیقی سلامتی اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔

پھر دیکھیئے کہ ہمارا خداوند ایک طرف تو یہ فرماتا ہے کہ "دیکھو خُدا کی بادشاہت تمہارے اندر (یا درمیان) ہے"۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے شاگردوں کو دُعا میں یہ مانگنا سکھاتا ہے کہ "تیری بادشاہت آئے"۔ یہاں پھر کچھ تضاد نظر آتا ہے کہ خُدا کی بادشاہت موجود بھی ہے اور آنے والی بھی ہے۔

خُداوند ایک نوجوان سے کہتا ہے کہ تُو آسمان کی بادشاہت سے دُور نہیں ہے۔ یعنی آسمان کی بادشاہت اب موجود ہے اور تُو اس سے دُور نہیں۔ لیکن پھر ایک دوسرے موقع پر فرماتا ہے "مَیں تُم سے کہتا ہوں کہ انگور کا شیرہ اب سے کبھی نہ پیونگا جب تک خُدا کی بادشاہت نہ آئے"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خُدا کی بادشاہت آنے والی ہے۔ ایک اچنبھا ہے کہ خُدا کی باشاہت حال میں موجود ہے اور پھر آنے والی بھی ہے۔ لیکن اس رمز کی عقدہ کشائی کے لئے ہمیں کہیں دُور نہیں جانا پڑتا۔ ہماری دُنیا کی تمام فضا میں موسیقی یا راگ کی بادشاہت موجود ہے۔ اس کمرہ کی فضا میں بھی موجود ہے لیکن میرے لئے یہ بادشاہت ابھی تک نہیں آئی۔ میرے لئے یہ بادشاہت اُس وقت آئیگی جب میرے کمرہ میں بجلی کا وہ آلہ جسے ریڈیو (Radio) کہتے ہیں نصب کیا جائے۔ اور پھر بجلی کا بٹن دبانے سے یہ آلہ راگ کے تموجات کو جو میرے کمرہ کی فضا میں موجود ہیں جذب کرے اور میرے کانوں تک پہنچائے۔ کمرہ میں راگ کی بادشاہت پہلے ہی موجود تھی لیکن مجھے



اِس بادشاہت میں شرکت تب حاصل ہوئی جب میرا اِس راگ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو گیا۔ خُدا کی بادشاہت بھی دُنیا میں موجود ہے۔ لیکن میری اور آپ کی دُنیا میں وہ بادشاہت تب آئیگی جب خُدا کے ساتھ ہمارا ایک خاص تعلق پیدا ہوگا۔ یہ وہ بادشاہت ہے جس کا مکاشفہ خُداوند مسیح ہم کو بخشتا ہے جس میں محبت تخت پر بیٹھی ہوئی ہے جو ہم باغیوں کو اپنا بنانا چاہتی ہے اور اس دُنیا میں آکر ہمارے لئے دُکھ اُٹھاتی ہے تاکہ ہم کو جیت لے۔

کیا ہمارے لئے یہ بادشاہت آگئی ہے؟ کیا ہم نے اِس محبت کا مزا چکھا ہے؟ کیا ہماری سرکش خودی مغلوب ہو چکی ہے؟ اگر نہیں تو آج عاجز بن کر اپنی آنکھیں اُس کی طرف اُٹھائیں اور کہیں کہ "تیری بادشاہت آئے"۔ ہاں میرے دل میں آئے"۔ میرے خاندان میں آئے۔ پھر زندگی کی کایا پلٹ جائیگی کیونکہ جو نیت راجہ کی ہوتی ہے وُہ ہی پرجا کی بھی ہُوا کرتی ہے۔ جو مقصد راجہ کا ہوتا ہے وُہی پرجا کا بھی ہُوا کرتا ہے۔ جو دوست راجہ کے ہوتے ہیں وُہی پرجا کے بھی ہُوا کرتے ہیں اور جو دشمن راجہ کے ہوتے ہیں وُہی پرجا کے بھی ہُوا کرتے ہیں۔ پھر ہم دِلی خواہش اور سچّائی کے ساتھ یہ دُعا مانگ سکینگے کہ تیری بادشاہت اس زمین پر بھی آئے۔

ایک حقیقت جو تمام دیگر نکات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس بادشاہت کا لانے والا خُدا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے خُداوند نے ہمیں دُعا میں یہ مانگنا سکھایا کہ "تیری بادشاہت آئے"۔ ہم اپنی ہی کوششوں اور تجویزوں سے اِسی بادشاہت کو قائم کرنے میں ناکام رہینگے۔ اِس لئے کہ یہ ہماری بنائی ہُوئی بادشاہت نہیں بلکہ وُہ بادشاہت ہے جس کو ازلی خُدا نے

خود قائم کیا اور بنایا۔ ہم اکثر اوقات ایک غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم خُدا کو بادشاہ تو مانتے ہیں لیکن اپنی عملی زندگی میں اُس کو دُنیا سے دُور آسمانوں کے پرے کسی جگہ پر تخت نشین کر دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہاں سے خُدا سب کچھ دیکھ رہا ہے اور بادشاہی کر رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو چھوٹی لڑکیوں کو ملکہ وکٹوریا کی تصویر دی گئی۔ اُن میں سے ایک نے اِس تصویر کو لیا اور خوب غور سے ساتھ دیکھا کہ ملکہ نے کیا خوبصورت لباس پہنا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ میں عصا ہے اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کُرہ ہے۔ سر پر تاج ہے اور تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ایک دم سے بول اُٹھی "اچھا یہ تو بتاؤ یہ ملکہ کیا کر رہی ہے"؟ اُس کی سہیلی نے جواب دیا "ارے بھئی کیا کر رہی ہے راج کر رہی ہے"۔ خُدا کے متعلق ہمارا خیال بھی کچھ اسی قسم کا ہے کہ خُدا تاج پہنے تخت پر بیٹھا ہوا راج کر رہا ہے۔ اور بس۔ لیکن ہمارا خُداوند ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ خُدا اِس قسم کا بادشاہ نہیں ہے بلکہ وہ بذاتِ خود اپنی بادشاہت میں دلچسپی لیتا ہے اور اُس کی ترتیب تنظیم میں مصروف ہے۔ سیدھی سادھی تمثیلوں میں ہمارے خُداوند نے خُدا کا دل کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا کہ کس طرح سے ہمارا خُدا ہم کھوئے ہُوئے اور باغی انسانوں کو ڈھونڈھ رہا ہے۔ کچھ اسی طرح جیسے کوئی چوپان دردمند دِل کے ساتھ اپنی کھوئی ہُوئی بھیڑ کو ڈھونڈتا پھرتا ہے یا جیسے کوئی عورت اپنے کھوئے ہُوئے درہم کو ڈھونڈنے کے لئے اپنے گھر کا کونا کونا چھان ڈالتی ہے۔

جب ہم یہ دُعا مانگتے ہیں کہ "تیری بادشاہت آئے" تو ہم اُس کے دِل کی آرزو کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے تئیں اُس کے مددگار قرار دیتے ہیں۔ اِس



چھوٹی سی دُعا کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم مسیحی ایماندار فرداً فرداً اپنے خُدا کے ساتھ ایک شخصی تعلق پیدا کریں۔ اپنی زندگی اُس کے سامنے لا کر رکھدیں۔ اُس کی اور صرف اُسی کی آواز سُنیں اور معلوم کریں کہ اُس کی کیا تجویز ہے۔ پھر اُسی کے نُور میں ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ اس زندگی کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ آلام و مصائب کے بار کے نیچے کراہتی ہوئی تباہ شدہ دُنیا جس کے نظم کا شیرازہ بکھر چکا ہے کہاں جا رہی ہے۔ اس میں ہماری کیا حیثیت ہے۔ نیز ایک نئی دُنیا کے بنانے میں ہمارا کیا حِصّہ ہے ۔

---

# لوگوں کی جانب کلیسیا کے فرائض

"مَیں اس لئے آیا کہ وہ زندگی پائیں اور کثرت سے پائیں"۔ یوحنا ۱۰:۱۰

جب ہمارا خُداوند زمینیوں کے درمیان رہائش فرماتے تھے تو اُس نے سب لوگوں کی بلا طرفداری مدد کی۔ وہ انہیں زندگی دینے کے لئے آیا۔ اور اُن کی مدد بھی فرمائی تاکہ وہ زندگی کی انتہائی خوشی اور خرمی سے محظوظ ہو سکیں۔ اُنہوں نے اپنا مقصد حیات اِن مشہور الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "مَیں اس لئے آیا کہ وُہ زندگی پائیں اور کثرت سے پائیں"۔ وہ مرتی ہُوئی دُنیا کی زندگی بخشنے کے لئے آیا اور صلیب پر جان دے کر اُس انتظام کو پُورا کیا مختلف اقوام و عقائد کے لوگوں تک کثرت کی زندگی کے پہنچانے کا کام اُس نے شاگردوں کے سپرد کیا۔ شاگردوں نے یہ زندگی پیشتر ہی اُس

سے پائی تھی۔ اِس کے حصول سے اُنہیں اپنے کام کی تکمیل میں ایک نئی رویا اور قوت نصیب ہوئی۔ یہ منصب اعلیٰ کلیسیا کو ودیعت کیا گیا۔ اور اگر اُسے اپنے بلاوے کے معیار پر پورا اُترنا ہے۔ تو اُسے کبھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ خُداوند نے رُوح القدس کی امداد کا وعدہ کیا ہے مسیحیوں کی جانب کلیسیا کا فرض یہ ہے کہ وہ اُنہیں خُدا کے بیٹوں کے اعلیٰ مرتبہ سے جو اُنہیں مسیح یسُوع میں مِلا ہے متعارف کرے۔ کیا یہ معمولی بات ہے کہ اُن کثیر التعداد لوگوں میں سے جو ابھی تاریکی میں بھٹکتے اور لکڑی اور پتھر کے سامنے سر بسجود ہیں اُس نے چند ایک کو بطور "ایک چیدہ نسل، ایک شاہی کہانت، ایک مقدس قوم، اور خُدا کی ملکیتِ خاص یعنی اُس کے لوگ" اِس لئے قرار دیا ہے۔ کہ وہ اُس کے شاہد ہوں اور دوسروں کو اُس کے پاس لائیں؟ اپنی زندگی اور تعلیم سے اُنہیں گناہگار دُنیا کے سامنے خُدا کی محبت کے اُس پیغام کا اعلان کرنا ضروری ہے جس کا مکاشفہ خُداوند مسیح کے ذریعہ سے ہُوا۔ یہ ایک نہایت ہی زبردست ذمہ داری ہے۔ اس فرض کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے یہ ضروری ہے کہ کلیسیا اپنے شرکاء کو خُدا کی حضوری میں لائے اور اُس خُداوند سے جس نے اُنہیں اپنے خون سے خریدا ہے شخصی ملاقات کرائے۔

پاسبان کلیسیا میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ اور اُس کا با اختیار کارکن ہے۔ اُس نے خُدا کی آواز کو سُنا ہے۔ اور خُدا نے اُسے ایلچی اور کلیسیا کا نگہبان مقرر کیا ہے۔ پاسبان کے کام کو پولُس رسول نے صاف الفاظ میں یُوں بیان کیا ہے "پس ہم مسیح کے ایلچی ہیں۔ گویا ہمارے وسیلہ سے خُدا التماس کرتا ہے۔ ہم مسیح کی طرف سے منت کرتے ہیں کہ خُدا سے میل ملاپ کر لو۔" (۲ کرنتھی ۵/۲۰) پاسبان کے ذمے بہت قسم کے کام ہیں۔ لیکن



اُس کا سب سے اہم کام لوگوں کو خُدا کی جانب لانا ہے۔ اُسے منادی، تعلیم، پاسبانی ملاقات، کلیسیائی رسوم کی ادائیگی میں ہوشیار اور غیور ہونا چاہیئے اور اُسے اپنی جماعت کی تعلیم و تدریس ایسے کرنا چاہیئے کہ وہ غیر دینی کام سے پوری طرح متحمل ہو سکے۔

پاسبان زیر حکم ہے اور اُسے اپنے خُداوند کے حُکم بجا لانا ہے جس نے اُسے میل ملاپ کی خدمت سپرد کر کے اُسے یہ توفیق بخشی کہ وہ انسانوں کی اپنی شخصی اور سماجی زندگی میں خُدا کی مرضی پوری کرنے میں مدد دے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اُسے بہت سے طریقے استعمال کرنے پڑینگے۔ اِس ضمن میں ہم چند ایک کا ذکر کرینگے جو کبھی بھی قطع نظر نہیں کرنے چاہئیں۔

اُس کے پروگرام میں پہلی جگہ خُدا کی عبادت اور ذات باری تعالیٰ کی حمد و ستائش کو حاصل ہونی چاہیئے۔ اُس کا نصب العین یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ جو اُس کے سپرد ہوئے ہیں۔ اُن میں سے ایک عبادت کرنے والی جماعت پیدا کرے جس کی بابت بالفاظ زبُور نویس یوُں کہہ سکیں۔

"مَیں خوش ہُوا جب وہ مجھ سے کہنے لگے آؤ خُداوند کے گھر چلیں" زبور ۱۲۲/۱ جو کچھ عبادت الٰہی کے لئے کہا گیا وہ دُعا کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے اُس کی کوشش ہونی چاہیئے۔ کہ اُس کی جماعت کلیسیا کے لئے ایک "قوت کا گھر" ہو جہاں سے روحانی طاقت کی ندیاں بہ نکلیں۔ اس کے لئے حسب معمول عبادتوں کو ملحوظِ خاطر رکھنے سے کام نہیں بنیگا۔ کلیسیا کے شرکاء کی ضروریات دریافت کر کے اُنہیں پورا کرنا چاہیئے۔ چاہے اپنے آپ کو کافی تکلیف برداشت کرنا ہی پڑے۔ پاسبان کے اعمال و اطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ لوگ اُسے معتبر رہنما اور لیڈر مانیں۔ اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے گلہ کو

جانے اور اُس کے اعتماد کا مستحق ہو۔ جو وقت وہ اپنے لوگوں کے ساتھ گذارتا
ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوستانہ ارتباط سے ہم ایک دوسرے
کو بہتر جاننے لگ جاتے ہیں۔ جتنا اُس کا رشتہ لوگوں سے قریبی ہوگا اتنا
ہی اُس کا نتیجہ بار آور ہوگا۔ ماؤں کی انجمنیں، لڑکیوں کی رفاقت، نوجوانوں
کی کلب، بائبل کی جماعت، دُعائیہ اجلاس اور کلیسیا کے دیگر کاروبار سے
لوگوں کو باہمی رفاقت کے بہت سے موقع ملتے رہتے ہیں۔ لیکن اُسے بھُولنا
نہیں چاہیئے کہ وہ لوگوں کو اُن کے گھروں میں سب سے بہتر جان سکتا ہے۔
کسی شخص کے ساتھ اُس کے گھر میں ایک دوستانہ گفتگو اُسے خُداوند کی
میز کے نزدیک لانے یا کلیسیائی شراکت کے اعتراف کرنے میں کئی وعظوں
سے زیادہ کارگر ہوگی۔

پاسبان کو اپنے لوگوں کو محض جاننا ہی نہیں بلکہ سمجھنا بھی چاہیئے۔ یہ
ضروری نہیں کہ ہر امر میں وہ اُن سے متفق الرائے ہو۔ لیکن جب تک وہ اُن کے
نقطہ نظر کو سمجھیگا نہیں اُس کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اُن کی بہترین طریقہ سے
مدد کر سکے۔ رُوح القُدس کے سات گونہ انعاموں میں سے دوسرا یعنی "سمجھنے
کی رُوح" اُن سب کے لئے لازمی و لابدی ہے جو دُوسروں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

اب یہ کہنا تو بے محل ہے کہ پاسبان کو اپنے لوگوں سے محبت ہونی چاہیئے
اُسے اُن کی زمانی اور ابدی بہبودی کا سچے دل سے متمنی ہونا چاہیئے۔ جب وہ
اپنے لوگوں کو پسند کرنے کی عادت بنائیگا۔ بات آسان ہو جائے گی اور وہ
ان کی محبت سے فیضیاب ہوگا۔

ہم پاسبان یہ بات نہ بھولیں کہ ہم لوگوں کے خادم اور اُس کے نمائندے
ہیں جو خدمت کرانے نہیں بلکہ کرنے آیا تھا۔ اور اُس کا فرمان ہے کہ "جو تم میں



سے بڑا ہونا چاہے وہ تمہارا خادم بنے" (مرقس ۱۰/۴۳) بعض اوقات کلیسیا میں
رسمی معاملات اور الٰہی عبادت کے طریقہ میں کچھ اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے
ہم یہ بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ کوئی تبدیلی کلیسیا کے شرکاء کی پوری رضامندی
کے بغیر نہ کی جائے۔ اس بدیہی امر کو نظر انداز کرنے سے بہت سا نقصان ہو سکتا
ہے۔ ضروری تعلیم اور کلیسیائی رضامندی سے جو تبدیلی وقوع میں آئیگی وہی کارآمد
اور مفید ثابت ہوگی۔

پاسبان کے لئے لازمی ہے کہ وہ پوشیدہ اور کھُلے طور پر بُرائی کے خلاف
بلاخوف آواز بلند کرے۔ جب ملزم کو اکیلا پانا یقینی ہے تو اُس کے گھر جانا چاہیئے
اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُسے شخصی گفتگو کے لئے اپنے گھر بلانا چاہیئے۔ یہ یقینی امر ہے
کہ پاسبان گناہ اور بُرائی میں مُبتلا لوگوں سے کھُل کر بات چیت نہیں کرتے۔
اگر ہم محبت کی راہ سے سچائی کو پیش کریں تو لوگ اس سے سمجھ لینگے کہ ایسا کرنا ہمارا
فرض ہے۔

پاسبان کا یہ مدعا ہے کہ اُس کی جماعت گرد و نواح میں نیکی کی اشاعت
کے لئے ایک زندہ اور باقوت وسیلہ بن جائے۔ کلیسیا مسیح کا بدن ہے اور اسی
کی وساطت سے تمام دُنیا کی نجات کے لئے جو خُدا کے مقاصد ہیں پورے ہونگے۔
اس لئے کلیسیا کو محض اپنی روحانی، اخلاقی اور اقتصادی بہتری کے لئے ہی کوشاں
نہیں رہنا چاہیئے۔ اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس کا فرض اوّل یہ ہے کہ کلامِ مقدّس
کی اشاعت سے گناہ آلود دُنیا کی اُس کثرت کی زندگی تک جو ہمیں مسیح یسوع میں
حاصل ہے رسائی کرائے۔

خُداوند کا دیا ہوا صریح حکم یہ ہے "جیسے باپ نے مجھے بھیجا ہے ویسے
ہی میں بھی تمہیں بھیجتا ہُوں"۔ تمام دُنیا میں جا کر سب مخلوقات کے سامنے

انجیل کی منادی کرو"۔ "تم دُنیا کی انتہا تک میرے گواہ ہوگے"۔

یہ کہنا درست ہے کہ اگر کلیسیا منادی نہ کریگی تو فنا ہو جائیگی۔ نجات کے پیغام کا شائع کرنا کلیسیائے جامع کی ذمہ داری ہے۔ جب کلیسیا کے شرکاء مسیح یسوع کو جو موت اور گناہ پر قائم ہے۔ خداوند اور مالک مان لینگے تو انہیں ایک ایسا پیغام حاصل ہوگا جو اُن کے غیر مسیحی پڑوسیوں کے لئے نہایت ہی مؤثر ثابت ہوگا۔ خدا کی بادشاہی جس کی بنیاد مسیح خود رکھنے کے لئے آیا زندگی کا ایک نیا نظام ہے جس کے اظہار و اعلان کا فرض اور شرف ہمیں حاصل ہے۔ ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ قوم کی آدمیت صحت اور نشو و نما کمزور ہے اور ہزارہا ایسی قباحتوں کا شکار ہے جن کا فوری علاج امر لازمی ہے۔ ہر طرف گناہ، خطاکاری، غریبی، قرض خواہی، لاعلمی، شراب خوری، مقدمہ بازی، دُکھ، بیماری، نفاق، وہم اور لامذہبی سے سامنا ہوتا ہے۔ کلیسیا کے لئے یہ کہنا کافی نہیں کہ مسیح نے جو کثرت کی زندگی عنایت کی وہ ان سب عیوب کا حل ہے۔ بلکہ عملی طور پر نیک نیت انسانوں کے ساتھ مل کر مسیح کے مزاج کے مطابق ان مشکلات کو حل کرنا چاہیئے خداوند کے پہلے شاگرد اس کثرت کی زندگی کو عوام تک پہنچانے میں کیونکر کامیاب ہوئے؟

یقیناً اُنھوں نے اپنی شخصی گواہی سے یہ ظاہر کیا کہ مسیح نے اُن کے لئے کیا کیا تھا اور کیا کچھ وہ دوسروں کے لئے کر سکتا ہے۔ بے شک اُنہیں اِس گواہی میں بہت دُکھ اور تکلیف بھی اُٹھانی پڑی لیکن وہ نڈر رہے۔ بہت سی کلیسیاؤں میں "گواہی کا ہفتہ" منایا جاتا ہے۔ لیکن ایسی کوشش تب ہی بار آور ہو سکتی ہے جبکہ پہلے دُعا اور بائبل مقدس کی تلاوت سے روحانی تیاری کی جائے۔ ہمارا پیغام زندہ مسیح کی بابت ہے۔ جو کہ فضل اور حیاتِ نو کا دینے والا ہے۔ وہ مجسم



خدا کا بیٹا ہے جس نے ہماری نجات کے لئے صلیب پر نہ صرف اپنی جان ہی دی بلکہ مُردوں میں جی اُٹھ کر آسمان پر چڑھ گیا۔ اور رُوح القدس کا عطیہ عنایت فرمایا ہے جس کے ذریعہ سے ناتواں قوی، بزدل دلیر، اور احمق صاحبِ علم الٰہی بن کر اپنے سامعین کے دل و دماغ کو خداوند مسیح کی طرف راغب کرتے ہیں۔ گواہی تب ہی کارگر ہو سکتی ہے جب ہم لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ مسیح نے ہمارے لئے کیا کچھ کیا اور اُس کی قوت و فضل نے ہماری زندگیوں کو کیونکر تبدیل کیا۔ شخصی گواہی جب اُس کی پشت پر ایک تبدیل شدہ زندگی ہو تو ایک نہایت ہی محکم اور لاجواب شہادت ہے۔ ایسی شہادت "گواہی کے ہفتہ" میں بہت پُر اثر ثابت ہوگی۔ یہ کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ خداوند کے حقیقی مقلد کے لئے ہر ہفتہ گواہی کا ہفتہ ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے اِس طور پر زندگی بسر کرنا چاہیئے کہ دوسرے اُس کی روشن دلی کو دیکھ کر خدائے نوراً علیٰ نور کی تعریف کریں۔ تبدیل شدہ زندگی جب موجب ایمان ہے تو کیا تبدیل شدہ لوگوں کی جماعت جو صلح و اتحاد سے زندگی بسر کر رہی ہے اس سے کہیں زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوگی؟ خداوند کا کہنا برحق ہے۔ "..... راہ، حق، اور زندگی مَیں ہُوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا"۔

خدمت شاگردی کا آخری امتحان ہے۔ پاسبان اپنے لوگوں کے لئے خدمت کے مواقع اور وسائل ڈھونڈے اور رفتہ رفتہ اُن کے دائرہ خدمت کو وسیع کرے تاکہ یہ محتاج دُنیا اُس کثرت کی زندگی سے جو مسیح یسوع میں میسّر ہے فیضیاب ہو سکے ۔

---

# تم جاؤ اور انجیل کی منادی کرو

مرقس ۱۶: ۱۵، ۱۶

## (بشارتی پیغام)

پادری وزیر چند بی۔ اے پروفیسر علم الوعظ و غیر مسیحی مذاہب وغیرہ تھیالوجیکل سیمنری
(گوجرانوالہ۔ پنجاب)

ہماری غور طلب آیات میں ہمارے خداوند کے وہ الفاظ ہیں جو مرقس حواری نے اپنی انجیل کے ۱۶ باب کی ۱۵، ۱۶ آیات میں پیش کئے ہیں جو یوں ہیں۔

"اُس نے کہا تم تمام دُنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ جو ایمان لائے اور بپتسمہ پائے وہ نجات پائیگا۔ اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائیگا۔"

یہ ہمارے خداوند یسُوع کے آخری الفاظ ہیں جو آپ نے آسمان پر صعُود کرتے وقت فرمائے۔ گویا یہ آپ کی ایک وصیّت ہے جو اُس وقت کی کلیسیاء اور اُس کے رہنماؤں کے سپرد ہوئی۔ اسی وجہ سے یہ حُکم خاص اہمیت رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں میں جب ہمارے خُداوند آسمان پر جانے والے تھے اُن کے دِل میں یہ خواہش بہت نمایاں تھی کہ اُن کے لوگ انجیل کی خوشخبری لوگوں میں اِدھر اُدھر پھیلائیں۔ یہی حُکم تمام مشنری اور بشارتی کام کا چارٹر ہے اور ہر زمانہ کے مسیحی لوگوں کے لئے مُستقل طور پر مُتحرک ہے۔ اِسی حُکم کی فرمانبرداری میں مسیحی ممالک کے دیندار لوگ مشنری کام کے لئے روپیہ پیسہ



نہایت افراط اور کشادہ دلی سے دیتے رہے ہیں۔ اور اپنی قیمتی زندگیاں غیر ممالک میں صرف کرتے رہے ہیں۔ یُوں تو ہر زمانہ میں ایسے مقامی حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کے ماتحت مسیحی دیندار لوگوں کو اپنے خُداوند کی نجات بخش قدرت کی گواہی دینے کے لئے زیادہ جوش اور غیرت پیدا ہوتی رہی ہے۔ مثلاً رسولی زمانہ میں رسولوں اور مبشروں کا زور اس بات پر تھا کہ ہمارا نجات دہندہ زندہ ہے۔ کیونکہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھ کر قدرت والا ثابت ہوا ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں بعض مسیحی رہنماؤں کو مقدس ملک کنعان واپس لینے کی زبردست خواہش دامنگیر ہوئی اور اُنہوں نے صلیبی جنگ شروع کی۔ پر اُن تمام مقامی حالات کے پیچھے اور اُن کی تہ میں ایک ہی مستقل اصول رہا ہے جو خُدا کے دیندار لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتا رہا ہے کہ وہ جائیں اور انجیل کی منادی کریں۔

اِس مضمون پر ہم تین بڑے بڑے حصّوں کے ماتحت غور کریں گے:۔

**اوّل۔ انجیل کی منادی کی ضرورت۔** دُنیا کی حالت
**دوئم۔ مُنادی کا مضمون۔** انجیل کا پیغام
**سوئم۔ مُنادی کا مقصد۔** نجات

**اوّل۔ انجیل کی منادی کی ضرورت۔** اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس وقت کے حالات کے مطابق جب کلیسیا چھوٹی تھی اور کلیسیا کے راہ نما تھوڑے تھے اور ہمارے خُداوند بہت خواہشمند تھے کہ اور لوگوں تک بھی یہ خوشخبری پہنچ جائے کہ گناہ سے معافی اور نجات کا انتظام ہو چکا ہے صرف یہی ایک قدرتی وسیلہ ہو سکتا تھا کہ خُداوند مسیح کے لوگ جنہیں آپ نے دُنیا میں سے علیحدہ کیا ہے اور نجات بخشی ہے وُہی نجات کی خوشخبری دوسرے لوگوں تک پہنچائیں جن کو ابھی یہ خبر نہیں ملی۔ پر اس سے بڑھ کر ایک اور گہرا سبب تھا

جس کے باعث ہمارے خُداوند نے اپنے لوگوں کو یہ حُکم دیا تھا۔ ہمارے
خُداوند کے سامنے ایک گناہ آلودہ دُنیا کی تصویر تھی۔ وہ دُنیا کے لوگوں کو دیکھتے
تھے (اصلی یونانی لفظ جو یہاں استعمال ہوا ہے اُس سے دُنیا کے لوگ یا آباد شدہ
دُنیا مراد ہے) کہ وہ اُن بھیڑوں کی مانند ہیں جن کا کوئی چرواہا نہیں۔ جو اِدھر
اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں اور ہلاکت کو جا رہے ہیں اور یہ ہی ایک بڑی وجہ تھی کہ
ہمارے خُداوند نے بشارت کا عالمگیر پروگرام پیش کیا ہے۔ کہ تم تمام دُنیا میں
جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ کیونکہ دُنیا کو اس خوشخبری
کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ خُدا نے بیٹے کو دُنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دُنیا
پر سزا کا حُکم کرے بلکہ اس لئے کہ دُنیا اُس کے وسیلے سے نجات پائے۔

پولوس رسُول اپنے خط رومیوں کے نام میں انجیل کی بشارت پر بہت
زور دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں انجیل سے شرماتا نہیں کیونکہ وہ ہر ایک ایمان
لانے والے کے لئے پہلے یہودی اور پھر یونانی کے واسطے خُدا کی قدرت ہے
رومیوں ۱: ۱۶۔ اور آگے چل کر انجیل کی اشد ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے
اس خط کے پہلے تین بابوں کو پیش کرتا ہے۔ وہ اس دُنیا کی جس میں یہودی
اور غیر یہودی سب شامل ہیں ایک نہایت ہی سیاہ تصویر کھینچتا ہے۔
دیکھو خصوصاً ۱: ۱۸ - ۳۲ آیات۔ اور ثابت کرتا ہے کہ خواہ یہودی ہوں خواہ
غیر یہودی سب کے سب گمراہ ہیں چنانچہ وہ ۳: ۹ آیت میں کہتا ہے کہ ہم
یہودیوں اور یونانیوں دونوں پر پیشتر ہی یہ الزام لگا چکے ہیں کہ وہ سب کے
سب گناہ کے ماتحت ہیں۔ اور ذرا آگے چل کر رسول پُرانے عہدنامہ میں سے
اقتباس کر کے بتاتا ہے کہ سب کے سب برگشتہ اور گمراہ ہیں۔ کوئی راستباز
نہیں ایک بھی نہیں۔ سب گمراہ ہیں سب کے سب نکمے بن گئے کوئی بھلائی



کرنے والا نہیں ایک بھی نہیں غرض انسان کی عالمگیر برگشتگی اس بات کی ضرورت
کا مطالبہ کرتی ہے کہ خُدا کے خادم اور مبشر باہر نکلیں اور انجیل کی منادی کریں۔
جب کبھی ہم دُنیا کی برگشتگی پر غور کرتے ہیں تو ہمارے خیالات عموماً دُنیا کی
تاریخ کے اُن زمانوں کی طرف جاتے ہیں جنہیں عموماً تاریک زمانے کہا گیا ہے
جب دُنیا غیر مہذب تھی اور موجودہ تہذیب سے ہنوز ناآشنا تھی۔ ہم عموماً ان
زمانوں کے متعلق یہ سوچتے ہیں کہ اس زمانہ کے لوگ بہت بُرے تھے۔ جو
غلامی۔ بچّوں کو مار ڈالنے اور بردہ فروشی اور ظلم اور تشدد کی قبیح رسومات کو روا
رکھتے تھے۔ اُن سیاہ زمانوں کے مقابلہ میں موجودہ زمانہ کو ہم مہذب اور روشنی کا
زمانہ کہتے ہیں۔ پر ہم اس روشنی کے زمانہ سے بھی خوب واقف ہیں۔ یہ دوسری
عالمگیر جنگ ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔ مُلک گیری کی ہوس اور ڈکٹیٹرشپ (جہاں
سب کچھ ایک ہی شخص کے حُکم سے ہوتا ہے) نے ساری دُنیا کو نہایت ہی شدید
جنگ میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس تہذیب میں انسان کی نہایت
ہی تازہ ترین سائنس کی ایجادیں اپنے ہم جنس کو ہلاک کرنے اور انسان کے ہاتھ
کی صنعت اور کاریگری کو تباہ کرنے میں صرف ہوتی رہی ہیں۔ بم اور تارپیڈو
اور مشین گن ایسے تباہ کُن ہتھیار ہیں کہ ان سے چند منٹوں میں ہزاروں اور
لاکھوں معصوم جانیں تباہ ہو سکتی ہیں اور کی گئی ہیں۔ اتحادیوں نے جاپانیوں کے
ایک ہی شہر پر اٹامک بم استعمال کیا ہے۔ پر اُس سے جس قدر جان اور مال
کا نقصان ہوا ہے دنیا کانپ گئی ہے۔ جو قیدی دُشمن کی قید سے رہا ہوئے ہیں
اُن پر ظلم اور تشدد کے بیان سُننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جرمنی کا مُلک
جو اپنی تہذیب پر فخر کرتا تھا وہاں کے قیدخانوں (کنسنٹریشن کیمپ) کے ظلم
اور بے رحمی کے بیان سُن کر جو ایسے لوگوں سے دستیاب ہوئے ہیں جو کسی

نہ کسی طرح سے بچ کے نکلے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کس طرح جرمنوں نے ایک ہی دن میں ہزاروں کی تعداد میں عورتوں اور مردوں کو زہریلی گیس سے مار ڈالا۔ یہودیوں کا قتلِ عام روا رکھا اور ایسی ایسی باتیں جن کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اس کے علاوہ ہیں۔ یہ سب باتیں ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ موجودہ تہذیب محض ایک غلاف ہے حقیقت میں بغیر مسیح کے انسان وحشی ہے اور اپنے ہم جنس انسان کے ساتھ وحشیانہ سلوک روا رکھتا ہے۔ بنی نوع انسان خواہ زمانہ سلف کے ہوں یا زمانہ حال کے سب برگشتہ ہیں۔ خُدا نے نوح سے کہا تھا کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے بُرا ہے۔ پیدائش ۸: ۲۱۔ برگشتہ انسان ہلاکت کا سزاوار ہے ایسی برگشتہ دُنیا کو بچانے کی ضرورت ہے۔ اور ایسی ہی دُنیا کو بچانے کے لئے ہمارا خُداوند خود نیچے اُتر آیا۔ اور اب اپنے نجات یافتہ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ تُم جاؤ اور تمام دُنیا میں مایوس اور برگشتہ لوگوں کو خوشخبری دو۔

ہم جب اپنے خُداوند کا یہ حُکم پڑھتے یا سنتے ہیں تو ہمارے خیالات عموماً ایسے ممالک کی طرف جاتے ہیں جو غیر مسیحی کہلاتے ہیں۔ پر جس دُنیا کی طرف ہمارے خُداوند کا اشارہ ہے وہاں پہنچنے کے لئے ضرور نہیں کہ ہم اپنے مُلک کی سرحدوں کو عبور کر کے جائیں۔ بلکہ وہ دُنیا ہمارے اپنے ہی ارد گرد ہے۔ ہم جو پاکستان کے مسیحی ہیں ہم غیر مسیحیوں کے درمیان بستے ہیں اور یہ ہی وہ دُنیا ہے جس میں ہمیں منادی کرنی ہے۔

ایک اور دُنیا ہے جس کی جغرافیائی حدود نہیں ہیں پر ہماری ذمّہ داری میں آتی ہے۔ میرا مطلب وہ زندگیاں ہیں جو ہماری کلیسیاؤں کے اندر پائی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ جو بے پرواہ ہیں یا ایسی جگہ اور حالت میں ہیں کہ خُدا کے کلام کی باتیں اُن تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اُن کے متعلق بھی ہمیں حکم



ہے کہ اُن میں انجیل کی منادی کریں۔ یہ دُنیا ہماری کلیسیائی حدُود کے اندر پائی جاتی ہے۔

## دوئم۔ مُنادی کا مضمون۔ انجیل کا پیغام۔

ہماری آیت ہمیں بتاتی ہے کہ انجیل کی منادی کرو۔ انجیل کے معنے ہیں خوشی کی خبر۔ اس انجیل میں گناہگار کے لئے ایک خوشی کا پیغام ہے۔ شایئد نئے عہد نامہ کی ایک آیت جس میں انجیل کا پیغام بہت واضح طور سے پیش کیا گیا ہے وہ ۲ کرنتھیوں ۵: ۱۹ آیت ہے جو یوں ہے۔ "خُدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا میل کرا لیا اور ان کی تقصیروں کو اُن کے ذمہ نہ لگایا اور اُس نے میل ملاپ کا پیغام ہمیں سونپ دیا۔" نجات کی ساری تجویز اس آیت میں موجود ہے اور یہی دُنیا کے لئے ہمارا پیغام ہے۔ اسی میں ہمارے خُداوند مسیح کی آمد کا پیغام موجود ہے۔ "وہ ازلی کلمہ مجسّم ہوا۔ خُدا نے دُنیا سے ایسی محبّت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔" یوحنّا ۳: ۱۶۔ جب وقت پُورا ہو گیا تو خُدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا۔ جو عورت سے پیدا ہُوا۔ اور شریعت کے ماتحت پیدا ہوُا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو مول لے کر چھُڑا لے۔ گلتیوں ۴: ۴ و ۵ آیات۔ اسی آیت میں صلیب کا پیغام موجود ہے جس پر گناہگار کی معافی کا انتظام کیا گیا۔ کیونکہ صلیب پر ہمارے خُداوند نے گناہگار کی جگہ لی۔ رومیوں ۳: ۲۵ آیت میں لکھا ہے کہ "اُسے (یعنی مسیح یسوع کو) خُدا نے اسکے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا ہے جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ تاکہ جو گناہ پیشتر ہو چکے ہیں .... اُن کے بارے میں وہ اپنی راستبازی ظاہر کرے۔" ۱یوحنا ۲: ۲ میں لکھا ہے کہ "وہ ہی ہمارے گُناہوں کا کفارہ ہے اور نہ صرف ہمارے ہی

گناہوں کا بلکہ تمام دُنیا کے گناہوں کا"۔ اسی پیغام میں گناہگار کا خُدا کے ساتھ میل ملاپ کا ذکر ہے۔ افسیوں ۲: ۱۵-۱۶ میں درج ہے "چنانچہ اُس نے اپنے جسم کے ذریعہ سے دُشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کر دی تاکہ دونوں سے اپنے آپ میں ایک نیا انسان پیدا کر کے صلح کرا دے اور صلیب پر دُشمنی کو مٹا کر اور اُس کے سبب سے دونوں کو ایک تن بنا کر خُدا سے ملا دے"۔ یہی بات خط کلسیوں کے ۲: ۱۳-۱۵ آیات میں پائی جاتی ہے۔ غرض ہمارے پیغام کا مرکز بلکہ خود ہمارا پیغام خود مسیح ہے۔ کیونکہ مسیح خود وہ درمیانی ہے جس میں ہو کر گناہگار اپنے گناہوں سے رہائی پا کر خُدا کے ساتھ میل کر سکتا ہے۔ ۱-تمتھیس ۲: ۵ آیت میں لکھا ہے کہ خُدا ایک ہے اور خُدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے۔ اُسی میں وہ زندگی ہے جو موت کے سزاوار کے لئے ضروری ہے۔ یوحنا ۳: ۳۶ آیت میں لکھا ہے کہ جو بیٹے پر ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے۔ افسیوں ۲: ۱ آیت میں آیا ہے کہ اُس نے تمہیں بھی زندہ کیا جب اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب مُردہ تھے۔ غرض انجیل کا پیغام واقعی گناہگار کے لئے ایک خوشخبری ہے۔

خُدا کے کلام میں دیگر غیر مسیحی مذاہب کی تعلیم سے ایک نرالی بات پائی جاتی ہے۔ دیگر مذاہب میں عموماً یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان اپنی عبادت۔ ریاضت اور اعمالِ حسنہ سے خُدا کو خوش کر سکتا اور اس طرح اُس کے حضور پہنچ سکتا ہے۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ گناہگار انسان جو خُدا سے باغی اور برگشتہ ہے کس طرح خُدا اُس کی عبادت کو قبول کر سکتا ہے۔ جب تک انسان کا دل پاک نہیں اور خُدا کا تابعدار نہیں کس طرح صحیح معنوں میں خُدا کی عبادت کر سکتا ہے اور خُدا کے لائق



نیک کام کر سکتا ہے۔ نپولین بوناپارٹ کے زمانہ میں جب انگریزوں اور فرانسیسوں کی جنگ تھی۔ امیر البحر نیلسن نے ایک فرانسیسی جہاز کو اپنے قابو میں کر لیا۔ جب وہ فرانسیسی جہاز لارڈ نیلسن کے جہاز کے نزدیک آیا تو فرانسیسی جہاز کا کپتان لارڈ نیلسن کے جہاز پر آ گیا کہ اپنے آپ کو اُس کے حوالے کرے۔ جب فرانسیسی کپتان لارڈ نیلسن کے نزدیک آیا تو اُس نے لارڈ نیلسن سے ہاتھ ملانے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پر لارڈ نیلسن اگرچہ بہت شریف اور خوش خُلق افسر تھا پر اُس نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ اپنا ہاتھ پیچھے ہی رکھا اور اُس فرانسیسی کپتان کو کہا کہ پہلے اپنی تلوار دو۔ لارڈ نیلسن نے اُس فرانسیسی افسر کی اطاعت کو قبول نہیں کیا جب تک اُس نے جنگ کا سامان یعنی تلوار اُس کے حوالے نہیں کر دی۔ خُدا کس طرح گناہگار کی عبادت کو قبول کر سکتا ہے جب کہ حقیقی عبادت انسان کی پوری اطاعت اور خُدا کے ساتھ صحیح رفاقت کو طلب کرتی ہے۔ نہیں بلکہ برعکس اس کے انجیل کی تعلیم یہ ہے کہ خُدا خود گمشدہ انسان کی تلاش کرتا۔ اُسے ڈھونڈتا اور بچاتا ہے۔ ابن آدم آیا کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈے اور نجات دے۔ لوقا ۱۹: ۱۰ آیت اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اگر آپ کا لڑکا گم ہو جائے تو کیا آپ گھر میں آرام سے بیٹھے رہینگے کہ لڑکا خود راہِ راست پر آئیگا اور گھر پہنچ جائیگا؟ نہیں بلکہ آپ خود نکل کر اُس کی تلاش کرینگے۔ لڑکا تو گم ہی اسی واسطے ہُوا ہے کہ وہ راہِ راست کو کھو بیٹھا ہے۔ ہم سب بھیڑوں کی طرح بھٹک گئے تھے پر خُداوند خود ہماری تلاش کرتا ہے اُس نے آپ ہماری مشقتیں اپنے اوپر اُٹھا لیں اور ہمارے غموں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیا۔ خُدا کا شکر ہے کہ مسیحی مذہب میں مایوس گناہگار انسان کے لئے تسلی کا پیغام موجود ہے۔ مسیح اب بھی اپنے چھدے ہُوئے ہاتھوں کو پھیلا

کر یہی دعوت دیتا ہے کہ اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو میرے پاس آؤ۔ میں تم کو آرام دُونگا۔ متی ۱۱: ۲۸ آیت۔

شُکر کی بات ہے۔ پاکستان اب صلیب کے پیغام کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ صلیب کے پیغام سے میرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے عوض میں دُکھ اور موت سہنا۔ ہمارے بعض مُلکی راہنماؤں نے مُلک کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہموطنوں کی خاطر اپنے اُوپر نہایت سخت تکلیفیں اور مصیبتیں جھیل کر پاکستان کو سکھا دیا ہے کہ کس طرح ایک شخص دوسرے کے فائدہ کے لئے مصیبت اُٹھا سکتا ہے۔ یہی صلیب کا پیغام ہے کہ مسیح خُداوند نے گناہگار کو بچانے کے لئے صلیب پر اپنی جان دی ہے۔

اسی آیت میں انجیل کو پیش کرنے کے طریق کے متعلق بھی پیش کیا گیا ہے۔ تُم دُنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ وہ یونانی لفظ (کیروسو) جس کا ترجمہ مُنادی کرو ہُوا ہے وہ کلام میں دو معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ اوّل اشتہار دینا یا اعلان کرنا۔ اِس معنی کے مطابق ہمیں حُکم ہے کہ اس نجات کے پیغام کا عام اشتہار دیں۔ اور جب کبھی جہاں کہیں موقع ملتا ہے اس کا اعلان کریں۔ پولُوس رسُول نوجوان تیمتھیُس کو تاکید کرتا ہے کہ تو کلام کی منادی کر۔ وقت اور بے وقت مستعد رہ۔ ۲ تیمتھیُس ۴: ۲۔ یہی وجہ ہے کہ انجیل کے خادم بازاروں میں سڑکوں پر ریل گاڑیوں میں غرض ہر جگہ انجیل سُناتے ہیں۔ بادشاہ کی ضیافت کی تمثیل میں جس کا ذکر لوقا ۱۴: ۲۱-۲۳ آیات میں ہُوا ہے۔ بادشاہ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ بازاروں میں۔ گلی کُوچوں میں شاہراہوں اور پگڈنڈیوں پر جائیں



اور شاہی ضیافت کی عام دعوت دیں۔ اِسی طرح اِس آیت میں حُکم ہے کہ انجیل کا پیغام ہر خاص و عام کو دیا جائے۔ اِس لفظ کے ایک اور معنی ہیں یعنی سکھانا اور تعلیم دینا۔ چنانچہ اعمال ۱۵: ۲۱ آیت میں آیا ہے کہ "قدیم زمانہ سے ہر شہر میں موسیٰ کی توریت کی منادی کرنے والے ہوتے چلے آئے ہیں اور وہ ہر سبت کو عبادت خانوں میں سُنائی جاتی ہے۔ اس آیت میں باقاعدہ تعلیم دینے کے معنوں میں یہ لفظ آیا ہے۔ رومیوں ۲: ۲۱ میں تو اِس کا ترجمہ سکھانا ہُوا ہے۔ انہی معنوں میں متی رسول اِس حُکم کو پیش کرتا ہے۔ متی ۲۸: ۱۹ آیت۔ پس تُم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ..... یعنی باقاعدہ سکھاؤ اور تعلیم دے کر مسیح کے پاس لاؤ۔ جہاں خُدا کے خادموں کو حُکم ہے کہ انجیل کے پیغام کی ہر خاص و عام جگہ میں اشاعت کریں وہاں یہ بھی حُکم ہے کہ لوگوں کو شاگرد بنا کر باقاعدہ تعلیم دیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسیحی سکولوں۔ کالجوں اور ہسپتالوں میں باقاعدہ بائبل سکھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور جہاں ممکن ہو غیر مسیحیوں کے لئے بائبل کے مطالعہ کے لئے جماعتوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جب کوئی مسیح کو قبول کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے اُسے باقاعدہ سکھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ شاگرد بنانے کا حُکم ہمیں خُداوند سے مِلا ہے۔

ہمارے خُداوند کے اِس حُکم میں یہ دعوت کسی خاص فرقے یا قوم یا مُلک کے لئے محدود نہیں ہے بلکہ عالمگیر ہے۔ دُنیا کے تمام لوگوں کے لئے ہے بیشک ہمارے خُداوند نے ساتھ ہی بشارت کا ایک عالمگیر پروگرام دے دیا جو اعمال ۱: ۸ میں درج ہے کہ جب رُوح القُدس تم پر نازل ہوگا تو تُم قوت پاؤ گے اور یروشلم اور یہودیہ اور سامریہ بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہوگے تب سے یہ پروگرام جاری ہے اور زمانہ کے آخر تک جاری رہیگا۔ اور ہر قوم

اور مذہب اور ملت کے لوگ انجیل پر ایمان لاکر نجات پائینگے۔ مکاشفات ۷: ۹ آیت میں ایک گروہ نظر آتا ہے جس میں ہر قوم اور مُلک کے لوگ نظر آتے ہیں "اِن باتوں کے بعد جو مَیں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہُوں کہ ہر ایک قوم اور قبیلے اور اُمّت اور اہلِ زبان کی ایک ایسی بڑی بھیڑ جسے کوئی شمار نہیں کر سکتا سفید جامے پہنے ہُوئے اور کھجُور کی ڈالیاں اپنے ہاتھوں میں لئے ہُوئے تخت اور برّے کے آگے کھڑی ہے" یہ ہر زمانہ کے مسیحی خادموں اور مبشروں کی محنت کے پھل کی رویا ہے۔

سوئم۔ منادی کا مقصد۔ نجات:۔ جو ایمان لائے نجات پائیگا۔ ہمارا خُداوند اس حُکم میں دُنیا کے لئے ایک نہایت ہی اعلیٰ مقصد رکھتا ہے۔ یہ کہ دُنیا نجات پائے۔ ہم نے شرع میں دیکھا کہ دُنیا کے لوگ برگشتہ ہوکر ہلاکت کی طرف جا رہے ہیں۔ گُناہ کی مزدُوری موت ہے اور جو گناہ کرتا ہے سو موت میں رہتا ہے۔ خُدا گنہگار کی موت سے خوش نہیں بلکہ اس سے کہ وہ توبہ کرے اور اپنی گناہگاری سے باز آئے    اگر ہم پُرانے عہدنامہ کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کس طرح خدا برگشتہ انسان کو راہِ راست پر لانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ بلکہ ساری بائبل اِنسان کی برگشتگی اور اُسے واپس لانے کے لئے خُدا کی کوشش کی داستان ہے۔ خُدا پُرانے عہد میں اپنے نبیوں اور رسولوں کی معرفت حِصّہ بہ حِصّہ اور طرح بہ طرح کلام کرتا رہا پر اِس آخری زمانہ میں اُس نے بیٹے کے وسیلے کلام کیا ہے۔ اور اُس کا بڑا مقصد یہی تھا کہ انسان نجات حاصل کریں۔ دُنیا کے راہنما دُنیا کے سامنے تمدن۔ سیاست اور اقتصادیات کے اعلیٰ معیار پیش کرتے ہیں پر یہ سب مقاصد ایک رُوحانی مقصد کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ حقیقی نجات یافتہ شخص ہی اپنی رُوحانی



حالت میں ایسے اعلیٰ معیار پر آتا ہے کہ اُس کے باقی سب تعلقات خودبخود درست ہوجاتے ہیں۔ اقتصادی۔ تمدنی اور رفاہ عام کے سب کام اور محبت اور جاں نثاری کی تمام خدمتیں حقیقی نجات یافتہ دل سے اُٹھتی ہیں۔ اب سوال لازم آتا ہے کہ نجات کے متعلق خُدا کے کلام کی کیا تعلیم ہے۔ خُدا کا کلام سکھاتا ہے کہ انسان گناہ کے سبب رُوحانی طور سے مُردہ ہے۔ اور جب تک خُداوند کسی گناہگار شخص کو نئی زندگی نہ بخشے وہ گناہ میں مُردہ رہتا ہے اس عمل کو انجیل میں ازسرِنو پیدا ہونا کہا گیا ہے۔ نقودیمُس کو ہمارے خُداوند نے فرمایا تھا کہ جب تک کوئی ازسرِنو پیدا نہ ہو وہ خُدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا یوحنا ۳: ۳۔ پولوس رسول افسیوں ۲: ۱ میں یوں کہتا ہے کہ اُس نے تمہیں بھی زندہ کیا جو اپنے قصوروں اور گناہوں میں مُردہ تھے۔ یہ نجات کا پہلا قدم ہے جب خُدا اپنے مفت فضل و کرم سے گناہگار انسان کو گناہ سے توبہ کرنے اور ایمان سے مسیح کو قبول کرنے کی توفیق بخشتا ہے تو مسیح پر ایمان لانے کے باعث اُس میں ایک نیا شخص پیدا ہوتا ہے۔ اِس قدم میں گناہگار توبہ اور مسیح کے خون پر بھروسہ اور ایمان رکھنے کے باعث اپنے گُناہوں کے جُرم سے رہائی پاتا ہے۔ اور خُدا کے سامنے راستباز اور صادق ٹھہرتا ہے۔

اِس قدم کے بعد ازسرِنو پیدا شدہ اِنسان مسیح کے ساتھ پیوستہ ہوکر کثرت کی زندگی حاصل کرتا ہے اور گُناہ کی قوّت اور اختیار سے بچا رہتا ہے رومیوں ۶: ۵ و ۶ آیات میں لکھا ہے کہ جب ہم اُس کی موت کی مُشابہت سے اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے تو بے شک اُس کے جی اُٹھنے کی مُشابہت سے بھی اُس کے ساتھ پیوستہ ہونگے چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پُرانی انسانیت اُس کے ساتھ اس لئے صلیب دی گئی کہ گُناہ کا بدن بیکار ہوجائے تاکہ ہم آگے کو گُناہ کی

غلامی میں نہ رہیں۔ یہ نجات کا دوسرا قدم ہے اِس قدم میں اُس کی پُرانی انسانیت زائل ہوتی جاتی اور وہ نئی انسانیت میں قدم مارتا جاتا ہے۔ اور زیادہ زیادہ پاک و صاف ہوتا جاتا ہے۔ اِس قدم میں ایمان دار کو خُدا کے فرزند بننے کا حق مِلتا ہے یوحنا ۱: ۱۲۔

جب ایمان دار اِس طرح پاکیزگی اور راستبازی کی زندگی میں قدم مارتا اور غلامی کی رُوح چھوڑ کر لے پالک ہونے کی رُوح رکھتا ہے رُومیوں ۸: ۱۵ و ۱۶۔ تو اُس میں آیندہ زندگی کے لئے ایک عجیب زندہ امید پیدا ہوتی ہے جس کا ذکر ۱ پطرس ۱: ۳-۵ میں یُوں آیا ہے "ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے خُدا اور باپ کی حمد ہو جس نے یسُوع مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے باعث اپنی بڑی رحمت سے ہمیں زندہ اُمید کے لئے نئے سرے سے پیدا کیا۔ تاکہ ایک غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث کو حاصل کریں وہ تمہارے واسطے...... آسمان پر محفوظ ہے" ۱ یوحنا ۳: ۲ میں لکھا ہے کہ اب ہم خُدا کے فرزند ہیں اور ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہُوا کہ کیا کچھ ہونگے۔ اِتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کی مانند ہونگے۔ ہر ایک ایمان دار یہ اُمید رکھتا ہے کہ جب ہمارا خُداوند ظاہر ہوگا تو ہم اُس کے ساتھ جلال میں ظاہر ہونگے اور اُس میراث کو حاصل کرینگے جو ہمارے خُدا نے ہر ایک ایمان دار کے لئے تیار کی ہے۔ یہ وہ حالت ہے جہاں ایمان دار نہ صرف گناہ کے جُرم اور اختیار یا قوّت سے رہائی پاتا بلکہ گناہ کی موجودگی سے رہائی پاکر ہمیشہ اپنے خُداوند کے ساتھ ابدی آرام اور چین میں رہیگا۔ جس کا ذکر مکاشفات ۲۲: ۳ و ۴ میں پایا جاتا ہے۔ یہ نجات کا تیسرا اور آخری قدم ہے۔ غرض نجات کے تین پہلو ہیں۔ ایک ماضی۔ جب گُنہگار صلیب کے پاس آکر اپنے ایمان کا ہاتھ بڑھا کر مسیح کے کفارہ کو قبول کرتا



اور اپنے گُناہوں کو اُس پر ڈالتا اور گُناہوں کے جُرم سے رہائی پاتا۔ دوسرا حال۔ جب وہ روز بروز گُناہ کی قوّت اور زور سے بچتا رہتا اور تیسرا مستقبل جب وہ گناہ کی موجودگی سے کامل رہائی پاکر اپنے خُدا کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔

غیر مسیحی مذاہب میں نجات کا یہ مفہوم بالکل مفقود ہے۔ ایک تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب کبھی عدالت ہوگی تو کسی نہ کسی طرح کسی کی سفارش سے خُدا اُنہیں معاف کر دیگا۔ یہ نہایت انہونی بات ہے۔ اُس وقت خُدا عادل منصف ہوگا اور عدالت کریگا۔ پر خُدا کا فضل اب ظاہر ہوا ہے جو تمام انسان کی نجات کا باعث ہوا ہے۔ انسان کو اب موقع ہے کہ خُدا کے فضل کو پہچانے جو مسیح یسُوع میں ظاہر ہوا اور اُس کی نجات کی دعوت کو قبول کرے اور اپنے گُناہوں سے نجات حاصل کرے تاکہ عدالت میں سُرخرو ہو بلکہ وہ جو یسوع مسیح میں ہیں اُن پر کوئی سزا کا حُکم نہیں رومیوں ۸: ۱۔ غیر مسیحی لوگوں کی تعلیم میں ایک اور مغالطہ ہے۔ وہ سکھاتے ہیں کہ اعمال حسنہ سے ہم بچ جائینگے یا نجات حاصل کرینگے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب تک انسان نیک نہیں ہوتا یعنی نجات نہیں حاصل کرتا وہ اعمال حسنہ یعنی نیک کام کر نہیں سکتا۔ نیک کام انسان کی رُوحانی زندگی کا نتیجہ ہیں نہ کہ سبب۔ پہلے انسان نجات حاصل کرے پھر نجات یافتہ لوگوں کے سے کام کر سکتا ہے۔ یہ ایک بالکل سادہ مثال ہے اور بات صاف ہو سکتی ہے۔ ایک کھٹے کا درخت ہے آپ اُس کو ہزار نصیحتیں کریں یا میٹھا پانی دیں وہ ترش پھل ہی پیدا کریگا پر اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ میٹھے مالٹے پیدا کرے تو اُس کو مالٹے کی پیوند کر دیں۔ وہ خواہ مخواہ بغیر کہے مزیدار میٹھے مالٹے پیدا کریگا۔ اگر انسان جو گُنہگار ہے نیک کام کرنا چاہے تو ضرور ہے ایمان کے وسیلے مسیح میں پیوند ہو تو بطور نتیجہ کے نیک کام کریگا۔

اس بڑے مقصد میں ایک اور بات شامل ہے۔ خُدا چاہتا ہے کہ دُنیا جو شیطان کے قبضے میں آگئی ہے اس میں سے لوگ بُلا کر اور نکال کر اپنی بادشاہت میں شامل کرے اور دُنیا میں اپنے خون خریدوں کی جماعت قائم کر کے ایک بادشاہت قائم کرے۔ ہمارے خُداوند نے فرمایا تھا کہ اے چھوٹے جُھنڈ مت ڈر کیونکہ باپ کو پسند آیا کہ تمہیں ایک بادشاہت دے۔ خُدا کی بادشاہت کی تعلیم بائبل میں اور خصوصاً نئے عہد نامہ میں بہت ملتی ہے (اس کا خاص مطالعہ کرنا چاہیئے)۔ خُدا اس بڑے مقصد کے لئے اپنے لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ باہر نکلیں اور نجات کا پیغام لوگوں کو دیں تاکہ اُس کے لئے ایک بادشاہت قائم ہو۔

اب ہمارا کیا فرض ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ اِس حُکم سے ہر ایک مسیحی شخص پر فرض لازم آتا ہے کہ اپنے خُداوند کے آخری حکم کا خاص لحاظ رکھتے ہُوئے انجیل کی منادی میں مصروف ہو۔ کیونکہ یہ حکم ہر ایک پر لازم ہے۔ پولُس رسول فرماتا ہے کہ مجھ پر افسوس اگر مَیں منادی نہ کروں۔ آج کل ایک بات افسوس سے دیکھی جاتی ہے کہ مسیحی لوگوں نے اس حکم کی تعمیل منادوں مبشروں اور خادم الدینوں پر چھوڑ دی ہے گویا کہ یہ کام فقط اُنہی کا ہے۔ مَیں اس بات کو تسلیم کرتا ہُوں کہ ایسے شخص جنہوں نے اپنی زندگی اور وقت خُدا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے اور خود بخود اِس کام کو اپنے ذمّہ لیا ہے۔ وہ منادی کو اپنا کام سمجھتے ہیں اور ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ضرور منادی کریں۔ پر اس سے عام مسیحی لوگ بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ یہ حُکم ہر ایک کے لئے ہے۔ ہر ایک کا فرض ہے۔

اس حُکم کی تعمیل ایک اور پہلو سے لازمی ہے۔ ہر ایک ایمان دار اپنے خُداوند کا قرضدار بھی ہے۔ جب ہمارے خُداوند نے ہم پر اتنے بڑے احسان کئے ہیں کہ ہمیں اس قدر بڑی نجات بخشی تو اس بڑے احسان کی شکر گذاری میں ہم کیوں



نہ اوروں کو اس بڑی بخشش کی خبر دیں۔ پولُس رسول فرماتا ہے کہ مَیں یونانیوں اور غیر یونانیوں کا قرضدار ہُوں حقیقت تو یہ ہے کہ وہ جو گناہ کی حقیقت سے واقف ہے اور خُداوند مسیح میں نجات کی خوشی کا تجربہ رکھتا ہے اُس میں ضرور یہ جوش موجزن ہوگا کہ دوسروں کو بھی اس نجات کی خوشخبری دُوں۔ ڈیوڈ لونگسٹن ایک مشنری تھا جس نے افریقہ میں اپنی ساری زندگی اُن وحشی لوگوں میں گذار دی۔ اُس کو کسی نے کہا۔ کہ آپ نے افریقہ میں بڑی قربانی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مَیں نے بڑی قربانی کی ہے۔ مَیں نے تو فقط خُداوند یسُوع مسیح کے اُس بڑے قرض کا جسے مَیں کبھی ادا نہیں کر سکتا ایک نہایت ہی قلیل حصّہ ادا کیا ہے۔ ناظرین کیا خُداوند مسیح کے احسان کا قرض ہمیں آمادہ نہیں کرتا کہ اس کی نجات بخش قدرت کی خبر اوروں کو دیں

اس میں ایک اور بات غور طلب ہے۔ اس آیت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو ایمان لاتا ہے وہ نجات پائیگا اور جو ایمان نہیں لاتا وہ مجرم ٹھہرایا جائیگا یعنی خُداوند یسُوع مسیح فقط اکیلا نجات دہندہ ہے۔ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پائیں۔ ہمارے خُداوند نے خود بھی فرمایا ہے کہ راہ اور حق اور زندگی مَیں ہُوں کوئی میرے وسیلے کے بغیر باپ کے پاس نہیں جا سکتا۔ اِس لئے یہ نہایت ضروری اور اہم وجہ ہے کہ ہم اپنے خُداوند مسیح کی انجیل کی خوشخبری دیں کیونکہ اور کوئی وسیلہ نہیں جس سے گناہگار لوگ نجات حاصل کریں۔ اگر کوئی اور وسیلہ ہوتا تو شاید ہم پر اس خوشخبری کو پھیلانا اتنا لازمی نہ ہوتا۔ پر اب تو اس سے گریز نہیں کر سکتے۔

ذرا غور فرمائیں۔ ہمارے خُداوند نے کیوں یہ پیغام ہمارے سپرد کیا اور ہمیں ذمہ دار اور مختار ٹھہرایا۔ جیسے پولُس رسول فرماتا ہے کہ ہم اُس کے بھیدوں کے مختار ہیں۔ کیا ہمارا خُداوند یہ خدمت فرشتوں کے سپرد نہیں کر سکتا تھا؟

مَیں خیال کرتا ہُوں کہ فرشتے بہت خواہشمند ہونگے کہ یہ خدمت اُن کے سپُرد کی جاتی پر اُن کے سپُرد نہیں ہُوئی۔ کیونکہ وُہ گُناہگار کے دُکھ کو نہیں جانتے۔ پر خُدا نے ہم اِنسانوں کے سپُرد کی۔ وہ اِنسان جو گُناہ کے دُکھ اور اُس کے ہولناک انجام سے واقف ہے اور خُداوند یسُوع مسیح کے وسیلے نجات کی خوشی کا تجربہ رکھتا ہے وہ انسان ہے جو اُس نجات کی خوشخبری کو صحیح طور سے پھیلا سکتا ہے۔ فقط گُناہوں سے نجات یافتہ انسان ہی کو خُدا استعمال کر سکتا ہے۔

ایس ڈی۔ گارڈن صاحب اپنی ایک کتاب میں ایک خیالی کہانی پیش کرتا ہے۔ جب ہمارا خُداوند آسمان پر گیا تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور بڑی خوشی کی کہ خُداوند مسیح نجات کے انتظام کو مکمل کر کے اُوپر آ گئے ہیں۔ تب ایک فرشتہ نے نیچے اشارہ کر کے خُداوند سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا آپ اِس نیچی دُنیا میں گئے تھے اور اس دُنیا کے لئے اپنی جان دی تھی۔ ہمارے خُداوند نے فرمایا کہ ہاں مَیں نے اِس دُنیا کے لئے اپنی جان دی ہے اور وہاں ایک سلطنت کی بنیاد ڈال آیا ہُوں۔ تب اِس فرشتے نے کہا کہ اب جو آپ اوپر تشریف لے آئے ہیں تو بادشاہت کو پھیلانے کا کام کس کے سپُرد کیا ہے۔ ہمارے خُداوند نے فرمایا کہ مَیں پطرس اور یوحنّا اور یعقوب وغیرہ کے سپُرد یہ کام چھوڑ آیا ہُوں۔ تب اس فرشتے نے پُوچھا کہ اگر پطرس اور یعقوب وغیرہ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں تو آپ کا اور کیا انتظام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا اور کوئی انتظام نہیں ہے فقط یہی کہ میرے لوگ بادشاہت کے پھیلانے کی خدمت کریں۔ ناظرین۔ کیا ہمارے دل میں ایک جوش نہیں پیدا ہوتا کہ ہم انجیل کی خوشخبری پھیلائیں جب ہمارے خُداوند نے یہ خدمت ہم پر ہی چھوڑی ہے۔

---



# آمدِ مسیح کا پھر آنا

## (مسیح کی آمدِ ثانی)

مرقس ۱۳ : ۳۷ - جو کچھ مَیں تُم سے کہتا ہُوں وہی سب سے کہتا ہُوں جاگتے رہو۔

---

مسیح کے یہ الفاظ اُس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے لوگ اکثر مسیح کی دوسری آمد کہتے ہیں۔ لیکن کتاب مقدّس میں خُداوند یسُوع مسیح نے اپنی کئی ایک آمدوں کا ذکر کیا ہے۔ اِس لئے بہتر ہے کہ ہم مسیح کی دوسری آمد کی بجائے خُداوند کے پھر آنے کا ذکر کریں۔ وہ پھر آئیگا لیکن ہم کو کنایتاً بھی یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کی صرف دو آمدیں ہیں۔

"جاگتے رہو"۔ ہاں مگر کیسے واقعہ کے انتظار میں ہم جاگتے رہیں؟ ایک فلم میں دکھایا گیا ہے کہ ایک شخص قتل ہونے کے خوف کے مارے ہر وقت چوکنا رہتا ہے پر آخر میں ایسا آدمی اُس کو قتل کرتا ہے جس کی طرف سے اُسے بالکل شک و شُبہ تک نہ تھا۔ تمام نئے عہد نامہ میں کوئی شاید ہی ایسی بات ہوگی جس کے متعلق فیصلہ کرنا اتنا مشکل ہے جتنا اِس کی بابت کہ مسیح کب اور کیسے آئیگا۔ اِس میں کلام نہیں کہ ہمارے خُداوند نے اپنے پھر آنے کا ذکر کیا ہے اور تمام کلیسیا بھی اقرار کرتی ہے کہ وہ زندوں اور مُردوں کا انصاف کرنے کے لئے پھر آئیگا۔

نبوّت کی تشریح کا ایک مسلّم طریقہ یہ ہے کہ روحانی اصول بار بار

واقعات میں ظاہر ہوتے اور پورے ہوتے ہیں۔ اکثر روحانی اصول اگرچہ کئی مرتبہ ظہور میں آتے ہیں تاہم ایک بار وہ خاص طور پر پورے ہوتے ہیں مثلاً تھسلنیکیوں کے دوسرے خط میں پولوس رسول "گناہ کے شخص" کا ذکر کرتا ہے جو اپنے آپ کو خدا کے برابر ٹھہراتا ہے۔ یہ پیشینگوئی کئی بار پوری ہوئی بلکہ خود اپنے وقت میں ہم نے جرمنی میں ایسے شخص کو دیکھا۔ غالباً مسیح کی آخری آمد سے پہلے یہ اصول خاص طور پر پورا ہوگا بہرکیف اِس میں شک نہیں کہ خدا کی قدرت کے خاص ظہور کے وقت ہمیشہ بڑی بے دینی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

انبیاء نے پیشینگوئی کرتے وقت اکثر سب باتیں گویا ابدیت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھیں ایسا کہ اُن کے لئے زمانہ کوئی چیز نہ رہا۔ جب قریب یا نزدیک یا ایسے ایسے دوسرے الفاظ نظر آئیں تو پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ "خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر" (۲ پطرس ۳: ۸) چنانچہ جب کلامِ الٰہی میں مسیح کی آمد قریب بتائی جاتی ہے تو یاد رکھیں کہ یہ نزدیکی ابدیت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ زمانہ کے لحاظ سے نہیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ جو واقعہ تقریباً دو ہزار برس پہلے "قریب" قرار دیا گیا اُس کی نزدیکی معمولی یا انسانی نزدیکی نہیں۔ علاوہ اِس کے کسی صورت میں یہ ممکن نہیں کہ یسُوع مسیح نے اپنی آمد کا وقت بتانا چاہا اِس لئے کہ اُس نے خود فرمایا "اُس دن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ" آیت۔ متی ۲۴: ۳۶

یہ آیت ہمارے لئے خاص نصیحت لئے ہوئے ہے۔ جس امر کا خداوند یسُوع مسیح کو خود اپنی موت اور قیامت سے پہلے علم نہ تھا وہ انسان کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی انسان یہ پتہ لگائے کہ خداوند کے پھر آنے کا زمانہ کونسا



رسول پہلے پہل یہ سمجھ بیٹھے کہ خداوند مسیح اُن کے وقت میں ہی پھر آئیگا پر وہ نہیں آیا یا کم از کم مسیح کی آخری آمد نہ ہوئی۔ رسُولوں کے وقت سے لے کر آج تک بہتیروں نے یہ گمان کیا کہ ہم کو دُنیا کے خاتمہ اور مسیح کی آخری آمد کا وقت معلوم ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۰۰۰ء میں بہت مقاموں میں کسانوں نے اس خیال سے کہ اُس سال دُنیا کا خاتمہ ہو جائیگا ہل نہ جوتے اور بیج نہ بوئے۔ اور لازماً بہت جگہوں میں قحط پڑ گیا۔ پھر ہمارے ہی زمانہ میں ایک دفعہ سینکڑوں آدمی انگلستان میں سمندر کے کنارے ایک پہاڑی کی چوٹی پر رات بھر مسیح کی آخری آمد کے انتظار میں رہے مگر وہ نہ آیا۔ عزیزو ہم اُن کی طرح فریب نہ کھائیں "لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہیں ہونگی لیکن اُس وقت خاتمہ نہ ہوگا"۔ میں تقریباً یہ کہہ سکتا ہوں کہ یسُوع کے کلام کے مطابق لڑائیاں دُنیا کے خاتمہ نہ آنے کا نشان ہیں۔ نہیں عزیزو۔ جاگتے رہو کیونکہ "خداوند کا دن چور کی طرح آئیگا۔"

مسیح کی متعدد آمدیں ہوئیں اور غالباً ہونگی۔ اوّل یروشلیم کی بربادی کو مسیح کی ایک آمد کہنا چاہئے۔ یاد رکھیں کہ خداوند یسُوع "اس لئے کہ وہ ابن آدم ہے" دُنیا کی عدالت کرنے والا ہے۔ جب کبھی انسان کی بے دینی اور بنی آدم کے گناہ خدا کے انتظام کے بموجب دُنیا میں تباہی اور عالمگیر مصیبت پیدا کرتے ہیں تو یہ مسیح کا ظہور بلکہ اُس کی ایک آمد ہے۔ ہم نے خود اِن گذرے چھ برس میں اُس کی عدالت دیکھی ایسی ایسی بلائیں جن کی پیشینگوئیاں جا بجا نئے عہد نامہ میں ہیں مسیح کو منصف کی حیثیت میں پیش کرتی ہیں۔

دوم۔ پنتکست کے دن ہمارا خداوند خاص طور پر آیا جیسے اُس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ "اگر کوئی مجھ سے محبت رکھے تو وہ میرے کلام پر عمل کریگا۔

اور میرا باپ اُس سے محبت رکھیگا اور ہم اُس کے پاس آئینگے اور اُس کے ساتھ سکونت کرینگے" (یوحنا ۱۴: ۲۳) کیونکہ رُوح القدس کی آمد اور حضوری باپ اور بیٹے دونوں کی آمد اور حضوری ہیں اور اب تک خُداوند یسُوع مسیح اپنے رُوح کے ذریعہ سے شخصی زندگی میں آموجود ہوتا اور سکونت کرتا ہے۔ ہم کلیسیائی سال کی کسی عید کے وقت دوسری عیدوں کو فراموش نہ کریں کیونکہ سب ایک دوسری سے وابستہ ہیں۔ مثلاً بڑے دن کو یاد رکھیں کہ یسُوع مرنے کے لئے پیدا ہوا اور آمد کے وقت کو نہ بھولیں کہ مسیح رُوح القدس کے ذریعہ سے آتا ہے۔

سوم۔ مسیح کی پہلی آمد بیت لحم میں ہوئی اور دوسری یروشلیم میں جب وہ جی اُٹھا۔ یوحنا کی انجیل کے چودھویں باب کی اٹھارھویں آیت میں مرقوم ہے کہ یسُوع نے فرمایا کہ "مَیں تمہیں یتیم نہ چھوڑونگا۔ مَیں تمہارے پاس آؤں گا۔" تین دن کے بعد یہ الفاظ پُورے ہوئے۔ مگر ہر ایماندار کے لئے یہ مسیح کی ایک خاص آمد ہے۔ اُسی باب کی تیسری آیت کو یاد فرمایئے جہاں یُوں لکھا ہے "اگر مَیں جاکر تمہارے لئے جگہ تیار کرُوں تو پھر آکر تمہیں اپنے ساتھ لے لُونگا تاکہ جہاں مَیں ہُوں تم بھی ہو"۔ اسی آیت کے مطابق جب پہلے مسیحی شہید مقدس ستفنُس نے مرنے کے قریب کہا "مَیں آسمان کو کھُلا اور ابنِ آدم کو خُدا کی دہنی طرف کھڑا دیکھتا ہُوں۔" یہ کیسا مُبارک وعدہ ہے کہ جب ہم کو دُنیا و مافیہا اور اپنے تمام عزیزوں کو چھوڑنا پڑیگا اور انسان سے پھر مدد کی اُمید نہ رہیگی تو اُس خوفناک وقت ہمارا نجات دہندہ ہم کو لینے کے لئے آئیگا۔

چہارم۔ کلیسیا اقرار کرتی ہے کہ دُنیا کے آخر میں خُداوند یسُوع مسیح کی آخری آمد ہوگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس عظیم واقعہ کی کیا صورت ہوگی کیونکہ اکثر مقاموں میں جہاں اِس آمد کا ذکر ملتا ہے اِس کا بیان تمثیلی ہے۔ کڑوے



دانوں کی تمثیل میں یہ ہے کہ "ابنِ آدم اپنے فرشتوں کو بھیجیگا اور وہ ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور بدکاروں کو اُس کی بادشاہی میں سے جمع کرینگے"۔ پھر توڑوں کی تمثیل میں ایک تاجر کا آکر حساب لینے کا ذکر ہے اور اشرفیوں کی تمثیل میں ایک بادشاہ کا۔ دس کنواریوں کی تمثیل میں برات کی آمد سے مسیح کی آمد کو تشبیہ دی جاتی ہے اور متی کے اُسی پچیسویں باب میں ذکر ہے کہ دُنیا کے آخر میں ابنِ آدم کی آمد پر "وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا"۔ اِسی طرح سے جس باب سے سند کی آیت لی گئی ہے اُس میں بادلوں میں آنے کا ذکر ہے اور سردار کاہن کے سامنے مسیح نے قادرِ مطلق کی دہنی طرف اپنے بیٹھنے اور نیز بادلوں کے ساتھ اپنے آنے کا ذکر کرکے فرمایا کہ اُس کے دُشمن یہ دونوں باتیں دیکھینگے۔ پھر مرقس کے اِسی تیرھویں باب میں وہ اپنی آمد کو ایک صاحبِ خانہ کے سفر سے واپس آنے کو تشبیہ دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ایک ہی واقعہ کا ذکر اتنے متفرّق طریقوں سے کیا جاتا ہے تو یہ سب تمثیلی بیانات ہیں اور ضرُوری تھا کہ ایسا ہی ہو۔ یہ واقعہ ایسا عظیم ہے کہ مسیح خود اپنی بشریت کے ایّام میں اُس کے وقت سے واقف نہ تھا اُس کا بیان فقط تمثیلوں میں ہو سکتا ہے۔ غالباً دُنیا کے آخری روز کا پتہ لگانا انسان کی عقل سے باہر ہے اور اسی وجہ سے جب تک خُداوند یسُوع مسیح انسانی حدود سے محدود رہا وہ بھی نہیں جان سکتا تھا کہ یہ کب ہوگا۔ پر غور کیجئے کہ اِن سب مقاموں میں عدالت کے لئے مسیح کے آنے کا ذکر ہے۔ پس بائبل کی تعلیم صاف طور سے بتلاتی ہے کہ وہ عدالت کے لئے آئیگا لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ اُس کے آنے کا طریقہ کیا ہوگا۔

بہر حال جب بھی خُداوند یسُوع مسیح آئیگا تو کسی کو شک نہ ہوگا۔ اُس نے

اپنے شاگردوں کو اور ہمیں بھی آگاہ کر دیا کہ ہم گمراہ نہ ہو جائیں اور کسی دغاباز کو مسیح موعود نہ مان لیں۔ کیونکہ متی کے چوبیسویں باب کی ۲۱ آیت میں ذکر ہے "جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ابن آدم کا آنا ہوگا"۔ جب وہ آئیگا تو کسی فرد بشر کو شک نہ ہوگا۔ بعض خوشی سے اور بعض رنج و خوف سے اُس کو پہچانینگے۔

مسیح نے اپنی آمد کی ایک شرط بھی ٹھہرائی ہے۔ یعنی یہ کہ اُس سے پہلے ہر ملک میں انجیل کی بشارت پہنچ جائیگی۔ ممکن ہے کہ اگر ایک شخص کا ایک دفعہ مُنادی کرنا یا چند اشخاص کا چند ہی مرتبہ بشارت کرنا اِس شرط کو پُورا کرتا تو کوئی مُلک اس سے مستثنےٰ نہ ہوتا مثلاً سادھو سُندر سنگھ مرحوم نے تبت میں مُنادی کی تھی تو بھی تبت میں تبلیغ حقیقی معنی میں نہیں ہوئی۔ دُور دراز مُلکوں کا کیا ذکر یہاں ہند کے بہت سے حصّوں میں اب تک انجیل کی مُنادی نہیں ہوئی۔ صوبجات متحدہ کے اکثر دیہاتی مسیح کی زندگی موت قیامت اُس کی تعلیم اور اُس کی دی ہُوئی نجات کے علم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ہمارے جاگتے رہنے میں یہ ضرور شامل ہے کہ ہم میں سے ہر ایک مبشر بنے اور کم از کم گفتگو سے مسیح کی مُنادی کرے۔ ہم اُس مسیحی کی نسبت کیا رائے قائم کریں۔ جو غیر مسیحیوں کے درمیان رہتا ہو اُن کے ساتھ روزمرہ کا کام کرتا ہُوا اُن سے مسیح کا ذکر نہیں کرتا۔ وہ ڈرتا ہے کہ لوگ بُرا مانینگے ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر مسیح نے تو ہم کو پہلے ہی جتلا دیا تھا کہ اُس کی خاطر لوگ ہم سے عداوت رکھینگے۔ مُبارک ہے وہ آدمی جس سے غیر مسیحی اس سبب سے عداوت رکھتے ہیں کہ وہ اُن سے وفاداری کے ساتھ اپنے خُداوند کا ذکر کرتا ہے!

جاگتے رہو کیونکہ تم نہ اُس دن یا اُس گھڑی کو جانتے ہو۔ غالباً ہم میں سے



اکثروں کے لئے مسیح کی آمد اپنی موت کے وقت ہوگی اور ہم میں سے کوئی اُس دن یا اُس گھڑی کو نہیں جانتا۔ پس ہر وقت موت کے لئے تیار رہیں یعنی ہر ایک کام کو یہ جان کر کریں کہ مسیح دیکھتا ہے کیونکہ واقعی وہ دیکھتا ہے۔ پر ہم اُس کو اکثر بھُول جاتے ہیں۔ ایک مقدس آدمی کا ذکر ہے کہ ایک روز شطرنج کھیل رہا تھا۔ ایک شخص نے پُوچھا کہ "جناب۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ مسیح اسی وقت آئیگا تو آپ کیا کرتے؟" ذرا تامّل کر کے اُس نے جواب دیا "مَیں شطرنج کھیلتا رہتا"۔ صرف وہ آدمی ایسا جواب دے سکتا ہے جو ہر وقت اپنے خُداوند کی حضُوری کو یاد رکھتا ہے۔

ہم جاگتے رہیں تاکہ دُنیا کے واقعات میں مسیح کا ہاتھ دیکھیں خاص کر جب وہ کسی نئی رُوحانی تحریک میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ورنہ ممکن ہے کہ اوروں کو برکت ملے اور ہم اُس سے محرُوم رہیں۔ "ایک لے لیا جائیگا اور دُوسرا چھوڑ دیا جائیگا"۔ مسیح کے افسوسناک الفاظ میں سے شاید سب سے افسوسناک یہ ہیں "جب ابن آدم آئیگا تو کیا زمین پر ایمان پائیگا؟" "جاگتے رہو کیونکہ تم نہ اُس دن نہ اُس گھڑی کو جانتے ہو"۔ "جاگو اور دُعا مانگو کہ آزمائش میں نہ پڑو"۔ "مَیں سب سے کہتا ہُوں جاگتے رہو" *

---

The publication of this book was assisted with the grant made by the Literature Committee of the West Pakistan Christian Council.

پی-آر-بی-ایس پریس انارکلی لاہور میں باہتمام پادری چندو لال پرنٹر پبلشر چھپکر پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور سے شائع ہوئی